ترقی کی دیوار انہی بنیادون پر اٹھائی گئی ہے، رسالہ مختصر ہونے کے باوجود پر معلومات مفید اور کارآمد ہے،

تجدید خوشنویسی، از جناب محمد عبدالرحمن صاحب فیضی حجم ۹۶ صفحے، قیمت عہ پتہ:-

عادل برادرس نمبر ۱، ۴۴، اوینیو روڈ، بنگلور سٹی،

منشی محمد عبدالرحمن صاحب فیضی فن خطاطی کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہین، زیرِ تبصرہ رسالہ انھون نے خوشنویسی کی تعلیم کے لئے لکھا ہے، رسالہ کے شروع مین فن کتابت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کے بعد فن خوشنویسی کو ترقی دینے کی کوششون کے سلسلہ کی بعض تقریرون اور اعلانون کو یکجا کیا گیا ہے، ۵۲ وین صفحہ سے اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، ابتدا مین فن خوشنویسی کے بنیادی معلومات درج کئے ہین، پھر ابجد کی تقطیع سے وصلی نویسی تک درجہ بدرجہ کی تقطیع کے نمونے درج ہین، رسالہ مین بعض سیاسی مسائل پر غیر متعلق اور غیر ضروری بحثین بھی آگئی ہین، امید ہے کہ رسالہ خصوصاً صوبہ مدراس کے نومشق خوشنویسون کے لئے کارآمد ہوگا،

رسالہ ہمایون کا سلور جوبلی نمبر، مرتبہ جناب میان بشیر احمد صاحب بی اے و جناب سید مظفر صاحب بی اے حجم ۲۰۳ صفحے کاغذ اچھا، لکھائی چھپائی بہتر، سرورق خوشنما، قیمت:- عہ پتہ:-

دفتر ہمایون، نمبر ۳۳، لارنس روڈ، لاہور،

رسالہ ہمایون کو اردو کے ادبی رسالون کے سرتاج ہونے کا فخر حاصل ہے، اوس نے اپنی متین اور یکسان سنجیدہ روش کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کرلئے، اس چوتھائی صدی مین اس کے ہاتھون بڑی میانہ روی سے اردو کی بیش قیمت خدمتین انجام پائی ہین، اس نے اپنی پچیس سالہ زندگی کو کامیابی سے طے کرنیکی خوشی مین اپنی سلور جوبلی منائی ہے، اور اپنے قدردانون کو سلور جوبلی نمبر کا تحفہ پیش کیا ہے، جس مین ملک کے ممتاز ادیبون نے اپنی قلمی اعانت سے حصہ لیا ہے، ہم عزیز معاصر کی خوشی مین شریک ہوتے ہین، اور اس کے جوبلی نمبر کا خیر مقدم کرتے ہین، امید ہے کہ یہ نمبر قدردانون کے حلقہ مین ہاتھون ہاتھ لیا جائیگا، "ر"

جلد ۵۹ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۴۷ء عدد ۵

مضامین

مقالات

استفسار وجواب

ہندوستان میں مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے جو تمدن پیدا ہوا اس کے مفید نتائج سے انکار نہیں کیا جا سکتا، انصاف پسند غیر مسلم ہندوستانی مورخین نے اپنی تصنیفات میں ان کا اعتراف کیا ہے، "انفلوئنس آف اسلام آن انڈین کلچر" وغیرہ میں اس کی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں،

خوشی کی بات ہے کہ اس دور میں بھی جب کہ ہندو مسلمانوں کی منافرت سیاسی اسباب کے تحت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے، مفید اثرات کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کیا جاتا، ابھی حال میں "ہندو لا کمیٹی" (جو مرکزی اسمبلی کی طرف سے مقرر کی گئی تھی) کی رپورٹ شائع ہوئی ہے، اس میں ہندو عورتوں کو طلاق و وراثت وغیرہ کے جن حقوق کے دیئے جانے کی سفارش کی گئی ہے، ان کا سرچشمہ نہ وید کی تعلیمات اور ہندو شاستر میں ہے، نہ یورپ کی بڑھتی ہوئی حقوق نسوان کی تحریک میں، بلکہ وہ اسی چارٹر سے ماخوذ ہے جس کو اسلام نے عورتوں کے بنیادی حقوق کے طور پر منظور کیا ہے، کیا یہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی یکجا زندگی کا ایک خوشگوار ثمرہ نہیں ہے،

لیکن یہ کیسی حسرت کی بات ہے کہ ہمارے پڑوسی ہمارے آئین کو سامنے رکھکر اپنی معاشرتی اصلاح کے لئے قدم اٹھا رہے ہیں، لیکن آج خود مسلمان عورتیں ہندوستان میں محض بعض فقہی معذوریوں کی وجہ سے اپنے بہت سے حقوق سے محروم ہیں، معارف کے اس نمبر میں اس صورت حال کی ایک پرانی دستاویز کے عنوان سے یوپی اسمبلی کی مسلم میرج کمیٹی کی رپورٹ شائع کی جا رہی ہے، اس سے ان مصیبت زدہ مسلمان عورتوں کا حال آشکارا ہوگا، امید ہے کہ مسلمان ارباب بصیرت اس کو غور سے پڑھیں گے، اور ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے کوئی مناسب و مستحکم قدم اٹھائیں گے،

ہندوستان کے برطانوی دور حکومت میں یہاں کے علم و ادب کا قیمتی سرمایہ بھی یہاں سے انگلستان لیجایا گیا جس کو اس سرزمین

میں سلاطین و امراء کے مختلف خاندانوں اور ارباب ذوق اہل علم نے صدیوں میں یکجا کیا تھا، برطانوی عہدہ داروں نے ان کتابوں کے منتقل کرنے کا منظم سلسلہ انیسویں صدی کے آغاز سے شروع کیا، ۱۸۰۷ء میں جانسن رچرڈ کے ہاتھوں بہتر ذخیرہ منتقل کیا گیا، پھر ۱۸۰۵ء میں وارن ہسٹنگز نے اپنے اہتمام میں کتابیں انگلستان پہنچائیں، پھر اسی سال گیکواڑ بڑودہ کا کتب خانہ لیجایا گیا، ۱۸۱۲ء میں ولیم اردن نے بھی قیمتی کتابیں منتقل کیں، پھر ۱۸۳۵ء میں فورٹ ولیم کالج کے بند کئے جانے کے بعد اس کا پورا کتب خانہ یہاں سے وہاں پہنچا دیا گیا، اسی طرح ۱۸۳۷ء میں سرجان کانوی کے ہاتھوں بھی مخطوطات کا بہتر ذخیرہ منتقل کیا گیا، بایں ہمہ اس وقت تک یہاں کے اہم شاہی کتب خانوں کے قیمتی نوادر محفوظ تھے، چنانچہ ۱۸۵۰ء میں اسپرنگر نے اودھ کے شاہی کتب خانوں کی فہرست لکھنؤ میں مرتب کی تھی، ان میں دس ہزار قلمی کتابیں موجود تھیں، یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد دہلی کے شاہی کتب خانہ پر ہاتھ ڈالنے کی جسارت کی گئی اور ۱۸۶۸ء میں یہ بیش بہا علمی نوادر بھی انگلستان پہنچا دیئے گئے، اس طرح ہندوستان میں بولی اور سمجھی جانے والی مختلف زبانوں عربی، فارسی، سنسکرت، اردو، ہندی، مرہٹی، گجراتی، تیلگو اور تامل وغیرہ کی بہترین قلمی کتابیں انگلستان چلی گئیں، اور ہندوستان کو اپنے علم و ادب کے مایۂ ناز سرمایہ سے تہی دامن ہو جانا پڑا، انگلستان میں ان میں کے کچھ نوادر برٹش میوزیم میں داخل کئے گئے اور بیس ہزار مخطوطات کا ذخیرہ انڈیا آفس کے کتبخانہ میں رکھ لیا گیا، نیز بہت سے فنی و تاریخی دستاویزات اور نوادر بھی رکھے گئے جو ہندوستان خصوصاً اسلامی عہد کی تاریخ، آثار اور روایات کے حامل ہیں،

ہندوستان کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات کے تحت انڈیا آفس کے ختم کئے جانے کا زمانہ قریب آ رہا ہے، اس سلسلہ میں یہ موجب طمانیت ہے کہ یہاں کے ارباب حل و عقد نے اس ملک کے ان قیمتی مخطوطوں، دستاویزوں اور بیش قیمت نوادر کو اس موقع پر فراموش نہیں کیا اور ان کے یہاں واپس لانے کی گفتگو کا سلسلہ انگلستان کے ارباب سیاست سے جاری ہو گیا ہے، اور ان گفتگوؤں کے نتیجہ میں ان کی واپسی کا یقین دلایا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس سلسلہ میں ان نوادر پر خاص طور پر نظر رکھی جائے، جو برٹش میوزیم میں دیدیئے گئے ہیں کہ وہ مخطوطات جو کبھی ہماری ملکیت میں رہ چکے ہوں وہ خواہ برٹش میوزیم میں ہوں یا انڈیا آفس میں انھیں یہاں واپس آنا چاہئے کہ یہ انمول جواہر ہماری علمی ادبی اور لسانی ترقیوں میں غیر معمولی معاون ہوں گے اور ہم صحیح طور پر

اُن سے فائدہ اُٹھا سکین گے، اور پھر یہ ہماری لئے باعثِ مسرت ہوگا کہ ہماری صدیون کی دولت گم گشتہ ہمین دوبارہ ہاتھ آجائیگی،

ابن ہبل المتوفی ۶۱۰ھ کی المختار فی الطب علمی حلقون مین شہرت رکھتی ہے، طب اسلامی کے عروج کے دور مین اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت حاصل رہ چکی ہے، حسنِ اتفاق سے اس کا ایک نادر مکمل اور صحیح نسخہ دار المصنفین مین موجود تھا، دائرۃ المعارف حیدرآباد نے اس نسخہ کو اساس بنا کر اس کو المختارات فی الطب کے نام سے چار جلدون مین تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا ہے، یہ جلدین دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے مل سکتی ہین،

صوبہ بمبئی مین اردو کی علمی تعلیمی اور ادبی تحریکون کی رہنمائی کی خدمت ایک مرکزی مجلس "انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" انجام دیری ہے، یونیورسٹی میں اردو کے امتحانون کی توسیع، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی تیاری کرنے والے طلبہ کی رہنمائی، ایک مکمل اردو کتب خانہ کا قیام، ایک علمی رسالہ کا اجرا، قلمی اور نایاب اردو کتابون کا حصول اور ان کی اشاعت کا انتظام کرنا اور مختلف یونیورسٹیون مین اردو ادب پر کام کرنے والون سے رابطہ قائم کرنا اس مجلس کے فرائض مین داخل ہے، اور یہ باعثِ مسرت ہے کہ حکومت بمبئی نے اس انجمن کے لئے دس ہزار روپے سالانہ کی امداد منظور کر لی ہے جس سے اس کو اپنے فرائض کے ادا کرنے مین سہولت حاصل ہوگی، جو لوگ اردو کے سلسلہ مین اپنی علمی و ادبی تحقیقات مین اس مجلس سے مدد لینی چاہین، وہ پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے آنریری ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو انسٹی ٹیوٹ ۹۲ نمبر ہارن بی روڈ بمبئی نمبر ۱ کے پتہ پر مراسلت کر سکتے ہین،

سندھ یونیورسٹی کے قیام و تاسیس کی تحریک بڑی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے، اب اس کی داغ بیل ڈالی جا چکی ہے اور یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس یونیورسٹی کی باگ ڈور پروفیسر عبد الحلیم کے آزمودہ کار ہاتھون مین دی گئی ہے، وہ وائس چانسلر بنائے گئے ہین، پرو وائس چانسلر کے فرائض وہ بڑے حسن و خوبی سے مسلم یونیورسٹی مین انجام دے چکے ہین، موصوف نے اب اپنے اس نئے عہدہ کی ذمہ داری سنبھال لی ہے، توقع ہے کہ ان کی سرپرستی مین یہ یونیورسٹی ترقی کے مدارج کو جلد طے کرے گی،

خوشی کی بات ہے کہ ہمارے پرانے رفیق کار مولانا ابو الجلال صاحب ندوی مدراس مین چند سال مختلف علمی و تعلیمی زندگی گذارنے کے بعد اب پھر ہمارے درمیان آگئے ہین، اور اپنے علمی مشاغل مین مصروف ہین، خصوصاً نوجوان رفقائے دار المصنفین کی علمی رہنمائی کرنے مین اُن کے مفید خدمات انجام پائین گے،

مقالات

نئی صورتِ حال کی ایک پرانی دستاویز

تیس برس کا زمانہ گذر گیا، ۱۹۳۶ء مین یو پی کی مجلس قانون ساز مین ڈاکٹر شفاعت احمد خان کی تحریک سے ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، جس کا نام مسلم میرج بل کمیٹی تھا، اور جس کا مقصد مسلمانون کے نکاح و طلاق کے معاملات پر غور اور نکاح و طلاق کو درج رجسٹر کرنے کیلئے ایک قانون کا بنانا تھا، اس کمیٹی کے صدر سر شاہ سلیمان مرحوم تھے، اور اس کے ممبرون مین ڈاکٹر شفاعت احمد خان، اور مجلس قانون ساز کے چند مسلمان ممبر اور بعض وکلا تھے، مسئلہ چونکہ مذہبی نوعیت کا تھا، اس لئے اس مین چند علمار ممبر بنائے گئے تھے، جن مین مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی اور مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور مولانا قطب الدین صاحب فرنگی محلی وغیرہ اور یہ خاکسار شریک تھا، کمیٹی نے لکھنؤ مین اپنے متعدد اجلاس کئے، اور بہت سے علما اور معززین کی شہادتین لی گئین، اور آخر اس کی رپورٹ تیار کی گئی، اور وہ مجلس قانون ساز مین پیش کی گئی،

اس رپورٹ کا جو حشر ہوا اس کا نتیجہ حافظ شیرازی کی زبانِ غیب نے ان لفظون مین سنایا، ع

این دفترِ بے پایان غرق مئے ناب اولی

بہرحال کمیٹی کے سارے ممبرون کا اتفاق کسی ایک نقطہ پر نہ ہو سکا، اس لئے کمیٹی کے ان ممبرون نے جو اس کی ضرورت کے قائل تھے، اپنی الگ رپورٹ تیار کی تھی، جس کی تحریر و تیاری کی خدمت

خاکسار کے سپرد ہوئی، اور اس پر مولانا کفایت اللہ صاحب، مولانا قطب الدین صاحب اور خاکسار نے دستخط کئے، اس رپورٹ کی نقل مدت سے میرے پاس پڑی ہوئی تھی، اپریل کے شذرات کو دیکھکر خیال آیا کہ کیون نہ اس ساز کو پھر چھیڑا جائے، کہ ملک مین اس وقت جس نئے ہندوستان کے خاکہ کی تیاری ہے، اس مین مسلمانون کی اس اہم ضرورت کو پورا کرنے کا مناسب وقت آپہنچا ہے، ان اوراق مین جو خیالات ظاہر کئے گئے ہین، اور مسلمانون کی اس اجتماعی ضرورت کو جس طرح پورا کرنے کا خیال پیش کیا گیا ہے، اوس پر تخیل و تصور کے لحاظ سے نہین، بلکہ اس لحاظ سے نظر ڈالنا چاہئے کہ اضطرار و احتیاج کی حالت مین ممکن سے ممکن عملی صورت کیا ہو سکتی ہے،

یہ نقشہ آج سے بیس سال پہلے کا ہے، اس وقت حالات مین بہت کچھ تغیر ہے، خیالات مین بھی تبدیلیان ہوگئی ہین، اور بہت سی ناممکن باتین ممکن معلوم ہو رہی ہین اس صورت مین یہ نقشہ بدل کر اور زیادہ مکمل شکل مین سوچا جا سکتا ہے، اور اس کے نقائص کو دور کیا جا سکتا ہے،

"سید سلیمان ندوی"

اندراج نکاح وطلاق

اور

تقرر قضاۃ

نکاح وطلاق کو سرکاری طور پر درج رجسٹر کرانے کا مسئلہ درحقیقت بڑی اہمیت رکھتا ہے، لیکن صرف اندراج کی بحث ہی اہم نہین ہے، بلکہ نکاح وطلاق کے متعلق بہت سی انتظامی باتین اس سے بھی زیادہ اہم ہین جن کے بغیر مسلمان سخت دشواریون اور مذہبی مضرتون مین مبتلا ہین خصوصاً لڑکیون اور ان کے والدین اور اولیار کے لئے بہت زیادہ مصیبت ہے، بہرحال اس وقت ہمارے سامنے نکاح و طلاق کے اندراج کا مسئلہ ہے، اور ہم اپنی بحث کو اسی مسئلہ سے شروع کرتے ہین،

سب سے اوّل اس کی تصریح کر دینی ضروری ہے، کہ شریعت اسلامیہ کے اصول و احکام کی بنا پر نکاح و طلاق کی صحت کے لئے کتابت اور اندراج رجسٹر کی ضرورت نہین،

مذہبی طور پر زبانی ایجاب و قبول (بشرائط مقررہ و معتبرہ) صحتِ نکاح کے لئے اور زبانی الفاظ طلاق (بشرائط مقررہ و معتبرہ) وقوعِ طلاق کے لئے کافی ہین،

کوئی نکاح صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھا نہین گیا یا رجسٹر سرکاری مین درج نہین ہوا، اور کوئی طلاق صرف اس وجہ سے کہ وہ لکھی نہین گئی یا سرکاری رجسٹر مین درج نہین ہوئی، ناجائز اور باطل یا ناقابل انکار نہین قرار دیجا سکتی،

اور کوئی ایسا قانون جو نکاح و طلاق کی اس حیثیت پر اثر انداز ہو، قبول نہین کیا جا سکتا کیونکہ وہ اسلامی حکم کے خلاف ہوگا،

ہان نکاح و طلاق کے اندراج کو صحت نکاح و طلاق کے لئے غیر ضروری تسلیم کرتے ہوئے اس حیثیت سے یہ مسئلہ زیر بحث آسکتا ہے، کہ آیا اندراج جائز و مفید ہے یا نہین پس ابتدائی طور پر اس مسئلہ کے دو پہلو ہین،

ایک یہ کہ اس قسم کا اندراج مفید اور نافع ہے، اور اس کو رواج دینا مناسب ہے، اور جس قدر لوگ اس پر عمل کرین اتنا ہی فائدہ ہے، اس کا نام "اختیاری اندراج" ہے،

دوسرا یہ کہ چونکہ اس اندراج مین بہت سی مصلحتین ہین، بڑی حد تک مقدمات سے نجات ملتی ہے، نکاح کے ثبوت اور دین مہر کی تعیین مین سہولت ہوتی ہے، اس لئے اس کو لازمی طور پر جاری کر دیا جائے، اس کا نام "جبری اندراج" ہے،

جہان تک پہلی صورت کا تعلق ہے شریعت اسلامیہ کو نہ صرف یہ کہ اس پر اعتراض نہین، بلکہ اس کے نزدیک وہ پسندیدہ اور مستحسن بھی ہے، عملی پہلو کے لحاظ سے اسلامی سلطنتون اور ہندوستانی مسلم ریاستون

ہیں اس پر کم و بیش عمل درآمد بھی رہا ہے، اور اب بھی موجود ہے،

قرآن پاک کی آیات ذیل سے بھی اس اندراج کے بہتر اور مستحسن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے،

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ	اے ایمان والو! جب تم کوئی ادھار کا
بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ	معاملہ کرو، جس کا ادا کرنا وقت مقررہ
وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ	پر ہو تو اس کو لکھ لیا کرو، اور چاہیے کہ ایک
وَلَا یَاْبَ کَاتِبٌ اَنْ یَّکْتُبَ کَمَا	لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھے، اور لکھنے والا
عَلَّمَہُ اللّٰہُ فَلْیَکْتُبْ وَلْیُمْلِلِ الَّذِیْ	لکھنے سے جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا انکار
عَلَیْہِ الْحَقُّ وَلْیَتَّقِ اللّٰہَ رَبَّہٗ	نہ کرے، اور جس پر حق آتا ہو یعنی جس کو دینا ہو
وَلَا یَبْخَسْ مِنْہُ شَیْئًا فَاِنْ کَانَ	وہ لکھوائے اور وہ اپنے پروردگار اللہ سے ڈرے
الَّذِیْ عَلَیْہِ الْحَقُّ سَفِیْھًا اَوْ ضَعِیْفًا	اور حق میں سے کچھ کم نہ کرے، اور اگر جس کو
اَوْ لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یُّمِلَّ ھُوَ فَلْیُمْلِلْ	دینا ہو، وہ نا سمجھ یا ضعیف ہو، یا لکھوا نہ
وَلِیُّہٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْھِدُوْا شَھِیْدَیْنِ	سکتا ہو تو اس کا ولی اس کی طرف سے
مِنْ رِّجَالِکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ	اس کو انصاف سے لکھوائے، اور اپنے
فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ	مردوں میں سے دو گواہ بنا لو، اگر دو مرد
مِنَ الشُّھَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا	نہ ہوں تو ایک اور دو عورتیں یہ گواہ
فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی وَلَا	ان گواہوں میں سے جن کو تم پسند کرو،
یَاْبَ الشُّھَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا	کہ ایک عورت بھولے تو دوسری اس کو
تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَکْتُبُوْہُ صَغِیْرًا اَوْ	یاد دلائے، اور گواہوں کو جب بلایا جائے
کَبِیْرًا اِلٰٓی اَجَلِہٖ ذٰلِکُمْ اَقْسَطُ	تو وہ انکار نہ کریں، اور اس معاملہ کے

عِنْدَ اللّٰہِ وَاَقْوَمُ لِلشَّھَادَۃِ	تا بوقت مقرر لکھ لینے میں خواہ وہ چھوٹا
وَاَدْنٰٓی اَلَّا تَرْتَابُوْآ	ہو یا بڑا تم سستی نہ کرو، یہ خدا کے نزدیک
(بقرہ ۳۹)	انصاف سے زیادہ قریب اور شہادت کے لئے
	زیادہ درست اور تمہارے شک میں نہ پڑنے
	کے لئے زیادہ مناسب صورت ہے،

ان آیات میں ہر اوس مالی معاملہ کے اندراج و تحریر کی ہدایت کی گئی، جو ادھار اور موجل ہو یعنی جس کا ادا کرنا آیندہ کسی وقت پر محول ہو، جس میں دین مہر موجل بھی داخل ہے، چنانچہ احکام القرآن امام ابوبکر رازی حنفی المتوفی ۳۷۰ھ میں ان آیات کی تفسیر میں ہے،

وعلی ھذا الکل دین ثابت موجل	(جلد اول ص ۴۸۲ قسطنطنیہ)	اور اس بنا پر ہر ثابت اور موجل دین اس آیت
فھو مراد بالآیۃ سواء کان من		میں مراد ہے، عام اس سے کہ وہ اشیاء کے
ابدال المنافع او الاعیان نحو		منافع کا بین دین ہو یا خود اشیاء کی ذات
الاجرۃ الموجلۃ فی عقود		کا، مثلاً وہ موجل زر معاوضہ جو اجاردن کے
الاجارات والمھر اذا کان		معاملوں میں یا مہر میں ہو، جب کہ مہر موجل ہو
موجلا وکذلک الخلع،		اور اسی طرح خلع کا معاملہ،

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی اندلسی المتوفی ۵۴۳ھ اپنی کتاب احکام القرآن میں حنفیہ کا مسلک لکھتے ہیں :۔

قال اصحاب ابی حنیفۃ عمومہ	(جلد اول ص ۱۰۲ مصر)	اصحاب ابو حنیفہ کہتے ہیں، کہ اس آیت
قولہ تعالیٰ اذا تداینتم بدین الی اجل		کے عموم میں مہر موجل بھی داخل ہے (یعنی
مسمی یدخل تحتہ المھر الی اجل		اس کو لکھنا چاہیے)

احادیث مین نکاح و طلاق و خلع وغیرہ کی تحریر و کتابت کا کوئی واقعہ مذکور نہین ہے، اس کی اصلی وجہ یہ ہے، کہ اس زمانہ مین مہر فی الفور ادا کر دیا جاتا تھا، تاخیر نہین کی جاتی تھی، یعنی مہر معجل کا دستور اور رواج زیادہ تھا، مہر مؤجل کا آنا نہ تھا، نیز ان کی اخلاقی حالت قابلِ وثوق تھی، اس لئے اس عہد مین تحریر و کتابت کی حاجت نہین پڑی، مگر جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا، اور حالات متغیر ہوتے گئے، ان امور مین تحریر و کتابت کا طریقہ بھی مزید ثبوت کے طور پر رواج پذیر ہوا، چنانچہ مشہور محدث امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ نے اپنی سنن مین تابعیون سے اُن عبارتون کے نمونے نقل کئے ہین، جو شرکت و تجارت اور مالی معاملات مین لکھی جاتی تھین، اسی ضمن مین تفریق و خلع نامہ کی کتابت کی یہ عبارت نقل کی ہے، جس کا سرنامہ یا عنوان یہ ہے تفرق الزوجین عن مزاوجتھما یعنی زن و شو کا اپنی زوجیت سے علحدہ ہونا"، اوس کے بعد اس خلع نامہ کے لکھنے کا پورا خاکہ نقل کیا ہے، (کتاب المزارعۃ والوثائق صفحہ ۱۵-۱۶ سنن نسائی مطبوعہ نظامی) اس تحریر کی ابتدائی سطرین یہ ہین :-

ھذا کتاب کتبتہ فلانۃ بنت فلان بن فلان فی صحۃ منھا وجواز امر لفلان بن فلان بن فلان انی کنت زوجۃ لک ...

یہ وثیقہ ہے جس کو فلان عورت، فلان بن فلان کی لڑکی نے بحالت صحت اور ہوش و حواس فلان بن فلان کو لکھ کر دیا، کہ مین تمھاری بیوی تھی،

فقہ کی کتابون مین بھی اس قسم کی عبارتون کے خاکے دیئے گئے ہین، جن مین قاضی کسی متنازع فیہ واقعہ نکاح یا طلاق یا خلع مین تحریری سند زوجین کو یا ان مین سے ایک کو لکھ کر دیا کرتا تھا، چنانچہ فتاوی عالمگیری کی چھٹی جلد مین کتاب المحاضر والسجلات کے تحت نکاح و طلاق و خلع کی تحریر و اندراج کی عبارتون کے وہ نمونے نقل کئے ہین جن کو قاضی سند کے طور پر لکھ کر دیتا تھا، پھر اسی کتاب کی اسی جلد کے باب کتاب الشروط فصل دوم مین نکاح اور فصل سوم مین طلاق کے اندراج و تحریر کے خاکے دئیے گئے ہین کہ باپ جب اپنی

بالغ لڑکی کا نکاح اپنی ولایت سے کرے، تو یہ عبارت لکھی جائے، اور جب لڑکی نابالغ ہو تو یہ عبارت لکھی جائے، باپ کے علاوہ دوسرے اولیاء یہ عبارت لکھوائین، غلام کی طرف سے یہ، اور لونڈی کی طرف سے یون لکھا جائے،

اسی طرح طلاق کے مختلف اقسام کے الگ الگ وثائق کے نمونے دئیے گئے ہین، خلع کی صورت مین لکھا ہے، کہ امام ابو حنیفہ اور اُن کے پیرو اماموں مین اوس کی صورت تحریر کے بعض الفاظ مین اختلاف ہے،

فان کانت المرأۃ مدخولۃ و اراد الرجل ان یکتب بذٰلک کتاباً یکتب : ھذا کتاب فلان بن فلان یعنی الزوج من فلانۃ بنت فلان ھکذا کان یکتب ابوحنیفۃ واصحابہ رحمھم اللہ تعالیٰ وکان الخصاف و الطحاوی والسمتی وھلال وابوزید الشروطی رحمھم اللہ تعالیٰ یزیدون فی ذٰلک زیادۃ فیکتبون ھذا کتاب لفلان یعنی الزوج کتبت لہ فلانۃ بنت فلان ،.........

جب عورت سے ہمبستری ہو چکی ہو، اور مرد لکھنا چاہے، تو یون لکھے، یہ فلان بن فلان یعنی شوہر فلان عورت کی فلان کی لڑکی اسی طرح ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد لکھا کرتے تھے، اور خصاف، طحاوی اور سمتی اور ہلال اور ابو زید شروطی اس مین کچھ اور بڑھاتے تھے، وہ اس طرح لکھتے تھے، یہ فلان یعنی شوہر کے لئے وہ تحریر ہے جو فلان عورت بنت فلان نے اوس کے لئے لکھی،

اسی طرح اسی کتاب کی اسی جلد کی فصل ۱۴ مین فی الوکالات کے زیر عنوان وثیقہ نویسی کا وہ طریقہ درج ہے، جوایک وکیل بالنکاح لکھا کرتا ہے،

وکلت المسماۃ فلانۃ بنت فلان بن فلان فلانا واقامتہ مقام نفسہا فی تزویجہا من فلان ابن فلان علی صداق کذا درہما وکالۃ صحیحۃ وان فلانا قبل ہذہ الوکالۃ قبولا صحیحا ذلک بتاریخ کذا ثم یکتب،

مسماۃ فلان عورت بنت فلان بن فلان نے اپنی طرف سے فلان شخص کو اپنا وکیل بنایا، صحیح وکیل بنایا، اور اس کو اپنا قائم مقام کیا، کہ وہ اس کا نکاح فلان بن فلان سے اتنے درہم کے دین مہر پر کر دے، اور وکیل مذکور فلان نے اس وکالت کو صحیح طور سے قبول کیا، اور یہ فلان تاریخ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ہذا ما تزوج فلان فلانۃ بتزویج وکیلہا فلان ایاہ بالمہر المذکور فی صدر الکتاب وہو کذا نکاحا صحیحا جائزا بمحضر جماعۃ من الشہود العدول المرضیین،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر ہے کہ فلان مرد فلان عورت سے اس عورت کے وکیل فلان شخص کی معرفت اس مہر پر نکاح کیا جو شروع تحریر مین مذکور ہے صحیح اور جائز نکاح پسندیدہ اور عادل گواہون کی ایک جماعت کی موجودگی مین،

اس سے آگے بڑھکر یہ ہے کہ بعض فقہا نے کتابت نکاح کو شہادت کی توثیق کی غرض سے مستحب اور مستحسن قرار دیا ہے، شامی جلد ثانی کتاب النکاح مین ہے،

واما الکتابۃ ففی عتق المحیط یستحب ان یکتب المعتق کتابا ویشہد علیہ

لیکن کتابت تو محیط کے باب العتق مین ہے کہ مستحب یہ ہے کہ آزاد کرنے والا ایک تحریر

صیانۃ عن التجاحد کما فی الخزانۃ بخلاف سائر التجارات للحرج لانہا مما یکثر وقوعہا و ینبغی ان یکون النکاح کالعتق لانہ لا حرج فیہ،

لکھ دے، اور اوس پر گواہ بنا دے تاکہ انکار کرنے والے کے انکار سے اس کو محفوظ کر دیا جائے، جیسا کہ کتاب الخزانہ مین ہے، برخلاف عام خرید و فروخت کے کہ اس مین کتابت سے معاملات مین تنگی ہو گی، کیونکہ یہ معاملے ہر وقت واقع ہوتے رہتے ہین، اور مناسب یہ ہے کہ عتق کی طرح نکاح بھی ہو کیونکہ اوس کے تحریر کرنے مین بھی تنگی نہین،

ان تمام تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نکاح وطلاق کا کسی کتاب مین درج کرانا احکام مذہبی کے خلاف نہین، بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اور نکاح وطلاق کے مزید ثبوت کا باعث اور مسلمانون کو بہت سے نزاعات اور مقدمات کی تباہی و بربادی سے بچانے کا سبب ہوگا، بااین ہمہ یہ ظاہر ہے کہ عدم اندراج سے نکاح وطلاق کے بذریعہ زبانی شہادتون کے ثبوت کے عام شرعی قاعدہ مین کوئی مداخلت نہ ہوگی، اور نہ ہوسکتی ہے،

ہم لوگون مین سے جن کو طلاق ونکاح کے معاملات سے بحیثیت مفتی یا وکیل کے سابقہ پڑا کرتا ہے ان کو پہلے سے یہ معلوم تھا، لیکن اب کمیٹی کے عام ممبرون پر بھی شہادتون سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ مسلمانون کے معاملات طلاق ونکاح کا کوئی نظام نہ ہونے سے ان کو صدہا مشکلات اور دقتون کا سامنا ہے، اور اس سے مسلمانون کو بیحد تکلیفین پہنچ رہی ہین، ان مشکلات اور دقتون کی مختلف نوعیتین ہین، اور اُن سب پر غور کرنا، اور ان کا علاج سوچنا ہمارا فرض ہے،

۱- چونکہ نکاح خوان قاضی کے لئے علمی صفات کی کوئی قید نہین ہے، اس لئے ہر کس وناکس کی

فرض کو ادا کر دیتا ہے، اور جہالت کی وجہ سے ایسے نکاح کر دیئے جاتے ہیں، جو شرعاً جائز نہیں جس کا نتیجہ مسلمانوں کی عزت و آبرو کے علاوہ ان کے خاندانی نسل اور ترکہ و وراثت پر پڑتا ہے، رضاعت کے پیچیدہ اصول سے وہ واقف نہیں ہوتے، رشتوں میں حلال و حرام کا فرق نہیں کر سکتے، عدت میں نکاح کر دینے کے مجرم ہوتے ہیں، طلاق کی بھی مختلف صورتوں کے نہ سمجھنے کے باعث کبھی ظاہری مطلقہ اور حقیقۃً غیر مطلقہ کا نکاح دوسرے سے کر دیتے ہیں، اولیاء کے باہمی فرق مراتب اور ان کے اختیارات کے عدم واقفیت کے باعث بہت سی غلطیاں کرتے ہیں، اور وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرتے رہتے ہیں، بالآخر وہ مقدمات کی صورت میں متعلقہ خاندانوں اور عدالت دونوں کے لئے مصیبت کا باعث ہوتے ہیں،

۲- چونکہ شریعتِ اسلامی میں نکاح و طلاق کے نفس انعقاد اور وقوع کے لئے شہادتوں کا درج تحریر ہونا ضروری نہیں ہے، اور لوگ عموماً بے پروائی کے ساتھ گواہوں کا انتخاب کرتے ہیں، اور پھر یہ بھی دستور ہے کہ تبرک کے لئے عموماً بڑے بوڑھے اور بزرگ اس خدمت کے لئے منتخب ہوتے ہیں، اور عموماً ان معاملات میں جھگڑے نکاح کی ایک مدت کے بعد بلکہ زوجین میں سے ایک کی وفات کے بعد پیش آتے ہیں، اس وقت یا تو گواہ مر جاتے ہیں، یا ہوش و حواس اور حافظہ کھو بیٹھتے ہیں، اس لئے ایک مدت کے بعد نکاح کے ثبوت میں سخت دقتیں پیش آتی ہیں، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دینِ مہر کے تحریری نہ ہونے کے باعث تعین رقم کی دشواریاں پیش آتی ہیں، اور صوبہ کے بعض حصوں میں عدالتوں کو اپنے قانون کے ماتحت دین مہر کی رقم میں اپنے قیاسات سے کام لے کر مداخلت کرنی پڑتی ہے، اور کبھی یہ ہوتا ہے، کہ دوسرے تحریری قرضوں کے مقابلہ میں یہ بے تحریر قرضہ ناقابلِ ثبوت ہو کر ساقط کر دیا جاتا ہے،

۳- شریعتِ اسلامیہ میں متعدد صورتیں ایسی ہیں جن میں عورتوں کو مردوں سے علیحدگی اور تفریق کی یا نکاح کے فسخ کرانے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن ان تمام صورتوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ

وہ مسلمان قاضی وقت کی قضا اور فیصلہ سے ہوں جس کے ہاتھ میں تنفیذی طاقت اور قوت ہو، مثلاً بالغ لڑکی جس کا نکاح باپ کے اور دادا کے سوا کسی اور نے کر دیا ہو وہ بلوغ کے بعد اپنے اس نکاح کو ناپسند کر کے رد کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے مسلمان قاضی کے حکم و فیصلہ کی ضرورت ہے، اسی طرح اگر کسی عورت کا شوہر کم از کم چار برس سے مفقود الخبر ہے، تو وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، مگر اس کے لئے بھی قاضی مسلم کی اجازت شرط ہے، ایسے ہی اگر کوئی عورت خلع کرانا چاہتی ہے، تو وہ بھی مسلمان قاضی ہی کی محتاج ہے، نیز اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو نان و نفقہ نہیں دیتا، تو وہ بعض صورتوں میں شوہر سے الگ ہو سکتی ہے، مگر قاضی مسلم کے فیصلہ کے بغیر نہیں، غرض عورت کی طرف سے ہر علیحدگی، اور تفریق کے لئے ایسے مسلمان قاضی کی ضرورت ہے، جو تنفیذی طاقت اور قضا کا اختیار رکھتا ہو، چونکہ گورنمنٹ نے جب سے قاضیوں کے نظام کو برطرف کر کے موجودہ عدالتوں کا نظام قائم کیا، ان معاملات کو زیرِ غور نہیں رکھا، اس لئے اس کو غالباً مسلمانوں کی ان مشکلات کا اندازہ نہیں ہوا حالانکہ مسلمان عورتوں کو حد درجہ تکلیفیں اور دقتیں درپیش ہیں، گواہوں میں سے اکثر اصحاب نے جن کو ان معاملات سے تعلق ہے، ان دقتوں کا ذکر کیا ہے، اور بعض قابلِ شرم اور بعض نہایت بے رحمانہ اور بعض نہایت سنگین واقعات کو انھوں نے بیان کیا، جو موجودہ کمیٹی کے اختیار سے باہر ہونے کے سبب سے تحریر میں نہ آسکے، تاہم حالت ایسی دردناک ہے کہ کسی ملک کی گورنمنٹ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی،

مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی کے جواب میں مذکور ہے کہ صرف ایک فرنگی محل میں ماہوار دس پندرہ فتوی اس قسم کے پیش آتے ہیں، جن میں بااختیار مسلمان قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے، ہمارے صوبہ میں فرنگی محل کے علاوہ ندوۃ العلماء لکھنؤ اور نیز بدایوں، بریلی، دیوبند، سہارنپور، کانپور، جونپور، اعظم گڈھ وغیرہ میں بھی دارالافتاء ہیں، اگر ان میں سے ہر جگہ کی تعداد یکجا کر لی جائے، تو یہ کس قدر زیادہ ہو جائیگی،

نیز ایک دوسرے گواہ مولانا ابو بکر محمد شیث صاحب جونپوری فاروقی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی

کے جوابات ملاحظہ کیجئے جن مین وہ بیان کرتے ہین، کہ اُن کے علم مین اس قسم کے بکثرت معاملات ہر سال پیش آتے رہتے ہین، اور مسلمانون کے ہاتھون مین ان کا کوئی علاج نہین ہے، اسی طرح دوسرے گواہون کے بیانات ہماری تصدیق کرین گے،

موجودہ زیر تجویز قانون سے پہلی اور دوسری مشکلین بہت حد تک دور ہوجائین گی، لیکن تیسری مشکل کے حل مین موجودہ صورت مین کوئی مدد نہین مل سکتی، اور اس کے متعلق باوجود شدتِ احساس کے ہم اس لئے کوئی تفصیل نہین کرسکتے، کہ اس کا علاج موجودہ کمیٹی کی وسعت اور اختیار سے خارج ہے لیکن چونکہ خوش قسمتی سے گورنمنٹ نے مسلمانون کی ان پریشانیون اور مصیبتون کو محسوس کرکے جو نکاح وطلاق کے اندراجات نہ ہونے سے پیش آتی ہین، اُن کے ازالہ کی جانب توجہ کی ہے، اور اس کے جوانب و اسباب پر غور کرنے کے لئے یہ کمیٹی مقرر کی ہے، اس لئے کمیٹی کو حق ہے کہ عدم اندراج کی مضرتون کے ساتھ ساتھ ان مضرتون اور مصیبتون کو بھی روشنی مین لے آئے، جو عدم اندراج کی مصیبتون سے بدرجہا زیادہ سخت اور تباہ کن ہین اور گورنمنٹ سے درخواست کرے کہ جس طرح اوس نے ان دقتون کے ازالہ کی جانب توجہ فرمائی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اوس کو اپنی مسلمان رعایا کی اس پریشانی اور مصیبت کو رفع کرنے کی سعی کرنی چاہیے، جو بااختیار مسلم قاضی کے نہ ہونے کی وجہ سے رات دن پیش آرہی ہے، اور جس نے مسلمان لڑکیون کی زندگی تلخ کردی ہے،

ہماری رائے مین اگر گورنمنٹ مسلمان مظلوم لڑکیون کی اس ناقابل برداشت مصیبت کو رفع کرنے کے لئے حسب ذیل صورتون مین سے کوئی صورت اختیار کرے، تو مسلمانون کی بہت بڑی مشکل حل ہوجائیگی،

۱- مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ ان تمام قاضیون کو ایک مرکزی نظام مین لاکر پورے صوبہ مین مسلمانون کے نکاح وطلاق کے لئے ایک علحدہ محکمۂ قضا قائم کردیا جائے جس کو ان معاملات مین حق فیصلہ ہو تو یہ ساری مشکلات دور ہوجائین گی، اور تمام چیزین مرتب صورت مین ہوجائین گی، عدالتین بھی بہت سے مقدمات سے بچ جائین گی، رجسٹری آفس بھی نئی ذمہ داریون سے محفوظ رہے گا،

۲- اگر بالفعل یہ ممکن نہ ہو تو اس مشکل کے حل کی آسان صورت یہ ہے، کہ قاضیون کو ان معاملات کے لئے وہ اختیارات دیئے جائین، جو آنریری منصفون کو حاصل ہین، تاکہ وہ اپنے اختیارات سے اس مشکل کو دور کرسکین،

یہ یاد رہے کہ موجودہ عدالتین اس مشکل کو اس لئے حل نہین کرسکتی ہین، کہ ان مسائل مین شرع اسلامی کے رو سے غیر مسلم حاکم کا فیصلہ جائز نہ ہوگا، اور نہ ایسے مسلمان حاکمون سے اوس کے فیصلے کرائے جاسکتے ہین، جو قانون شرع سے واقف نہ ہون، تیسری صورت یہ ممکن ہے کہ

۳- ہر ضلع مین کسی ایک مسلمان حاکم کو جس نے ان مسائل کا خاص امتحان پاس کیا ہو ایسا اختیار دیا جائے، جس کے رو سے وہ ان مشکلات کا حل کرسکے.

مسلمانون کے ان معاملات کے لئے خود ہندوستان مین اسلامی حکومتون کے زمانہ مین خاص محکمہ تھا جس کا افسر اعلیٰ صدر جہان (قاضی القضاۃ) کہلاتا تھا، اوسی کا اثر ہے، کہ آج بھی ہندوستان کی اسلامی ریاستون مین یہ عہدہ کسی نہ کسی صورت مین قائم ہے، بلکہ اس ملک کی ہندو ریاستون تک نے بھی اپنی مسلمان رعایا کے لئے اس قسم کے قاضی اور مفتی مقرر کر رکھے ہین، پھر تعجب ہے کہ ہندوستان کی حکومت نے کیون اس بارہ مین اپنا فرض محسوس نہین کیا،

مسلمان سلطنتون مین آج بھی یہ عہدے قائم ہین، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ امریکہ نے فلپائن مین، فرانس نے شمالی افریقہ کی نوآبادیون مین اور روس نے اپنی سلطنت مین مسلمانون کے لئے اس نظم کو قائم رکھا ہے، کہ بغیر اس کے ان کی معاشرتی زندگی قائم رہنی مشکل ہے، اس لئے ہمارے صوبہ کو جو اسلامی آبادی کا علمی اور تمدنی مرکز ہے، اوس کی طرف پیشقدمی مناسب ہے،

اسی سلسلہ مین سوال کی دوسری شق بھی سامنے آجاتی ہے، اور وہ یہ کہ کیا نکاح وطلاق کا جبری طور سے درج رجسٹر کرانے کا حکم از روے شرع اسلام جائز ہوسکتا ہے.

اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جو صرف چند عقائد، عبادات اور اخلاقی احکام ہی کا مجموعہ نہین ہے،

بلکہ وہ خود ایک منظم قانون اور شریعت ہی، جو شخص مسلمان ہوتا ہے، اس کے لئے صرف چند عقائد اور اخلاقی احکام کا تسلیم کرنا، اور چند رسوم و اعمال کا بجالانا ہی کافی نہین ہے، بلکہ ضروری ہے، کہ اوس کی زندگی، اور زندگی کا ہر معاملہ اس کے قانون اور شریعت کے مطابق ہو، اسلامی فقہ، پوری قوم، ملک بلکہ سلطنت کے تمام پیش آنیوالے معاملات پر محیط ہو، اور ایسے اصول بنادیئے گئے ہین جن کی مدد سے پیش آنے والے واقعات کا بھی جواب دیا جاسکتا ہو،

اس بنا پر ایک مسلمان کے لئے ناممکن ہے کہ وہ مسلمان رہ کر اپنی مقدرت اور استطاعت کے باوجود اسلامی قانون کو چھوڑ کر اپنے اوپر کوئی دوسرا قانون لازم کرے، اور خود اپنی رضامندی سے اس کو قبول کرے، یہی وجہ ہے، کہ دنیا کی تمام سلطنتون نے اپنی مسلمان رعایا کی اس مذہبی معذرت کو قبول کیا ہے، اور اُن کے لئے ان کے مذہبی قانون کو برقرار رکھا ہے، اور ہر جگہ اُن کے مذہبی قوانین کے اجراء کے لئے ایک خاص اسلامی صیغہ اپنے ماتحت قائم کر رکھا ہے، ہندوستان مین بھی ابتدائی انگریزی عملداری مین تقریبًا اسی طرح عمل درآمد تھا، چنانچہ اوس زمانہ مین انگریز حکام کو اسلامی قانون کو بتانے کے لئے متعدد مذہبی مشیر ہوتے تھے، اور اسی ضرورت کے لئے فارسی زبان مین فقہ اسلامی یا انگریزی قانون کے رنگ مین متعدد کتابین لکھی گئی ہین، جو اب تک موجود ہین، اور اسی عمل درآمد کا ایک بگڑا ہوا نقشہ ہے جو بنگال وغیرہ مین نکاح خوان قاضیون کی صورت مین باقی ہے، اس وقت بھی ہندوریاستون مین اسی اصول کی بنا پر مسلمانون کے لئے مسلمان قاضی مقرر ہوتے ہین، جو مسلمانون کے مذہبی معاملات کا تصفیہ کرتے ہین،

الغرض صورتِ حال یہ ہے کہ غیر اسلامی ملکون مین اور خصوصًا ایسے ملک مین جہان پہلے ان کی حکومت رہی ہو، اور پھر اتفاقِ زمانہ سے دوسری غیر اسلامی سلطنت وہان قائم ہوگئی ہو، جو ایسی مہربان ہو کہ مسلمانون کے مذہبی مراسم ادا کرنے مین خلل انداز نہ ہو، اور اُن کے مذہبی قوانین مین مداخلت نہ کرے، تو بھی اوس ملک کے مسلمانون پر فرض ہے، کہ وہ اس سلطنت سے اس بات کی درخواست کرین کہ؛

اپنی طرف سے ایک مسلمان والی مقرر کرے، اور وہ مسلمان والی اپنی طرف سے مسلمانون کے معاملات کو طے کرنے کے لئے اور ان کے نظامِ مذہبی کو برقرار رکھنے کے لئے قضاۃ مقرر کرے، ان قضاۃ کا فیصلہ اور حکم نافذ ہوگا، اور قابلِ تسلیم و اطاعت ہوگا، اگر یہ درخواست قبول نہ ہو سکے، تو مسلمانون پر واجب ہے کہ وہ باہمی رضامندی اور اتفاق سے کسی ایک شخص کو منتخب کرکے اپنا قاضی بنالین، اور اس کے احکام اور فیصلون کو تسلیم کرین،

یہ تو اس معاملہ مین فقہ کی اصلی صورت ہے، جس کا تعلق صرف نکاح و طلاق سے نہین ہے، بلکہ مسلمانون کے تمام نزاعی اور قانونی معاملات سے ہے، لیکن چونکہ تمام قانونی معاملات مین سے نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات کی حیثیت اسلام کی نظر مین صرف ایک قانونی معاملہ کی نہین ہے، بلکہ مذہبی معاملہ کی بھی ہے، ان کا ایک رُخ قانونی معاملہ کا ہے، تو دوسرا رُخ مذہبی عبادات کا ہے، یہ ایسے مسائل ہین، جن کا تعلق مسلمانون کی عزت و آبرو، زن و شو کے صحیح اور غیر صحیح ہونے، اولاد کے جائز اور ناجائز ہونے ترکہ اور وراثت کے استحقاق و عدم استحقاق وغیرہ سے ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ان معاملات کو شریعتِ اسلامی کے مطابق طے ہونے کی پوری کوشش کی جائے،

ہندوستان کی گورنمنٹ نے اس ملک مین مسلمانون کے لئے ان معاملات مین انہی کا مذہبی قانون تسلیم کیا ہے، جس کا نام محمڈن لا ہے، لیکن سب سے بڑی دقت جو ان معاملات مین مسلمانون کو پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ عدالتون اور اُن کے حاکمون کا مسلمان ہونا ضروری نہین ہے، ایسی صورت مین خواہ کسی قدر محمڈن لا کے مطابق وہ فیصلہ ہو اسلام کی نظر مین وہ اس وقت تک نافذ العمل نہین ہوسکتا، جب تک وہ کسی مسلمان حاکم و قاضی کی عدالت سے فیصل نہ ہو، انگریزی عدالتون کے بعض ایسے عام اصول متعلق شہادت وغیرہ ہین، جو اسلامی قانون سے مطابق نہین ہین، جن کی وجہ سے یہ نکاح و طلاق کے نیم مذہبی اور نیم قانونی معاملات صحیح اسلامی قانون کے مطابق فیصل نہین ہونے پاتے،

آج کل محتاط اور مذہبی مسلمان گورنمنٹ کی عدالتون کے قوانین سے مجبور ہوکر یہ صورت اختیار کرتے ہین، کہ کسی معزز شخص یا مستند عالم کو ثالث مان کر اوس کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہین، مگر چونکہ ان کے فیصلے قانونی حق تنفیذ نہین رکھتے، اس لئے شوہرون پر اور دوسرے متعلقہ اشخاص پر ان کی پابندی ضروری نہین رہتی،

اس صورتِ حال کا سب سے بدترین منظر غریب مسلمان عورتون کی حالت ہے، جو ظالم سفاک بے درد، شوہرون سے کسی حالت مین نجات نہین پاسکتین، حالانکہ شریعتِ اسلامیہ نے اُن کے تمام حالات کا لحاظ رکھا ہے، اور خیار، خلع، فسخ اور تفریق کی متعدد صورتین ایسی رکھی ہین، جن کے ذریعہ سے وہ ایسے شوہرون سے نجات پاسکتی ہین، ہر وہ لڑکی جس کا نکاح نابالغی مین اس کے باپ یا دادا کے سوا کسی دور ولی نے کسی سے پڑھا دیا ہو، بالغ ہونے کے بعد وہ اختیار کامل رکھتی ہے، کہ وہ اپنے اس نکاح کو فسخ کردے، مگر ان تمام صورتون مین جماعتی نظام کو قائم رکھنے کے لئے اسلامی شریعت نے قاضی کی منظوری اور فیصلہ کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن ہندوستان مین مسلمانون کی جو کیفیت ہے، اس کی بنا پر ان تمام صورتون کے دروازے مسلمان والدین، اور لڑکیون اور عورتون کے لئے بند ہین، اس سے قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ ہندوستان کے مسلمان کس قدر معاشرتی تکلیف اور مصیبت کے شکنجہ مین گرفتار ہین، اور موجودہ صورت مین اس سے نجات پانے کی اُن کے پاس کوئی تدبیر نہین ہے،

خوش قسمتی سے اس وقت ایک ایسی صورتِ حال ہمارے سامنے ہے، جس سے ایک طرف مسلمانون کی ان مشکلات کا حل ہو جاتا ہے، اور دوسری طرف اس خاص مسئلہ یعنی نکاح و طلاق کے لازمی طور سے درج تحریر کرانے اور اسی قسم کے دوسرے احکام متعلقہ کے صادر کرنے کے لئے جن سے مسلمانون کے فائدہ اور منفعت اور اسلامی مصالح کی رعایت مدنظر ہو، ایک صحیح شکل پیدا ہو جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ حکومت مسلمانون کے لئے ایک مرکزی محکمۂ قضا، اور اضلاع اور تحصیلون مین اوس کی شاخون

کا قیام منظور کرے،

تحریر نکاح و طلاق کے جبری قرار دینے مین فقہی حیثیت سے دو اعتراضات ہین، ایک یہ کہ یہ درج و تحریر شرعاً صرف مستحب و پسندیدہ ہے، فرض و واجب نہین، کسی شرعی اختیار کے بغیر کسی تبرع اور استحباب کو واجب مین نہین بدلا جاسکتا، یہ شرعی اختیار صرف امام مسلمین کو پہنچتا ہے، کہ وہ مسلمانون کی مصلحتون کی بنا پر اپنے زمانہ مین کسی قانون کو جو اصل مین غیر واجب ہو، واجب قرار دیدے اس کی مثالین احکام اسلامی مین موجود ہین، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہین، اُن ملکون مین جہان امام نہین یعنی غیر مسلم حکومت ہو، وہان کے مسلمانون پر فرض ہے، کہ وہ سب متحد ہوکر اپنے اوپر کسی ایک والی یعنی قائم مقام امام کا انتخاب کرلین، ایسی غیر مسلم حکومت اگر صرف خراج وصول کرکے مسلمانون کو اپنے معاملات مین خود مختار قرار دیدیتی ہے، یا یہ کہ وہ اندرونی معاملات مین مداخلت کرنا چاہتی ہے تو پہلی صورت مین مسلمانون پر از خود ایسے والی کا انتخاب اور تقرر آسان ہے، دوسری صورت مین مسلمانون پر یہ کوشش فرض ہے، کہ وہ اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کرین کہ وہ اپنی طرف سے ایک مسلمان والی اُن پر مقرر کرے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو مسلمانون پر یہ ضروری ہے کہ وہ متحد ہوکر اپنی رضامندی سے قاضی کا انتخاب کرین، جو اُن کے معاملات کا فیصلہ کرے، اور احکام اسلامی کا اجرار کرے،

غرض غیر مسلم حکومت مین مسلمانون کے لئے اُن کی وسعت اور استطاعت کے مطابق، اپنے معاملات کے نظم و نسق و ترتیب اجرار کے لئے حسب ذیل تین شکلین ہین،

۱- اگر ممکن ہو تو مسلمان خود اپنی طرف سے متفق و متحد ہوکر ایک والی کا انتخاب کرین، اور وہ قاضیون کا تقرر کرے گا،

۲- یہ نہ ہوسکے تو اس غیر مسلم حکومت سے مطالبہ کیا جائے، کہ وہی اُن پر ایک مسلمان والی مقرر کردے،

یہ مسلمان والی پھر قاضیون کا تقرر کرے،

۳- یہ بھی نہ ہو تو مسلمان اپنی باہمی رضامندی سے قاضی ہی کا انتخاب کرین، یہ تینون شکلین فقہ کی کتابون مین مذکور ہین،

۱- اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن وبلنسیة وبلاد الحبشة واقروا المسلمین عندهم علی مال یؤخذ منهم یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم وکذا ینصبوا لهم اماما یصلی بهم الجمعة،

(فتح القدیر)

اگر کسی ملک مین مسلمان حاکم نہ ہو اور نہ اس شخص کا وجود ہو جو قاضی کا تقرر کر سکے، جیسا کہ مسلمانون کے بعض ان ملکون کا حال ہے جن پر غیر مسلم اب قابض ہو گئے ہین، جیسے ملک مغرب مین آج کل قرطبہ اور بلنسیہ اور حبشہ کہ انھون نے مسلمانون کو اپنے یہان رہنے کی اجازت خراج وصول ادا کرنے پر دیدی ہے ایسے ملکون کے مسلمانون پر واجب ہے کہ وہ اپنے مین سے کسی ایک شخص پر متفق ہو کر اس کو اپنا والی بنالین، اور وہ والی کسی کو قاضی بنائے، یا وہی والی قضاء کا کام بھی کرے، اور ایسا ہی ضروری ہے، کہ وہ امام مقرر کرلین، جو ان کو جمعہ

۲- بلاد علیها ولاة کفار یجوز للمسلمین اقامة الجمع و

۲- ایسے ملک مین جس پر غیر مسلم حاکم ہین، مسلمانون کو جمعہ قائم کرنا درست ہے،

یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم ان یلتمسوا والیا مسلما،

(عالمگیری ورد المحتار عن المبسوط)

اور ایسے ملک مین مسلمانون کی رضامندی سے قاضی، قاضی ہو جائے گا، اور اس ملک کے مسلمانون پر واجب ہوگا کہ وہ حکومت سے کسی مسلمان والی کے تقرر کا مطالبہ کرین،

۳- کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار یجوز منه اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم .... واما فی بلاد علیها ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیهم طلب وال مسلم،

(رد المحتار)

۳- ہر وہ ملک جس مین غیر مسلمون کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو، اس والی کی طرف سے جمعہ اور عیدین کی نماز کا قیام درست ہے، اور اسی طرح خراج لینا، اور قاضیون کا مقرر کرنا، اور بیواؤن کا نکاح اس کی اجازت سے اس لئے درست ہے کہ اس نے مسلمانون کو ان پر حاکم بنایا ہے، .... لیکن ان ملکون مین جن پر غیر مسلم والی مقرر ہین، مسلمانون کے لئے جمعہ اور عیدین کی نمازین درست ہین، اور قاضی مسلمانون کی رضامندی سے قاضی ہو جائے گا، اور وہان کے مسلمانون پر واجب ہے کہ حکومت سے کسی مسلمان والی کا مطالبہ کرین،

ہندوستان مین مسلمانون کے معاملات کے نظم ونسق وترتیب اور احکام کے اجراء اور قضاء کے لئے تینون مذکورہ بالا شکلون مین سے ایک شکل اختیار کرنی پڑے گی، ہندوستان مین مختلف

مذہبون اور قومون کی ایسی مخلوط آبادی ہے جس کا لحاظ کرکے یہان کی غیرمسلم حکومت کو خاص مسلمانون کے لئے ایک مستقل مسلمان والی کے تقرر کو منظور کرنا تقریبًا ناممکن ہے، اس بنا پر اگر کوئی صورت ممکن ہو، تو وہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی رضامندی سے ایک قاضی کا انتخاب کرین، اور اس قاضی کو تنفیذ کی طاقت اور قوت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے، کہ حکومت اس انتخاب کو قبول کرے، اس بنا پر اگر اس صوبہ کے مسلمان ایک قاضی القضاۃ کا انتخاب کرین، اور گورنمنٹ اس کو منظور کرے، اور یہ قاضی القضاۃ مسلمانون کی رضامندی اور گورنمنٹ کی منظوری سے اضلاع اور تحصیلون مین قاضیون اور نائب قاضیون کا تقرر کرے تو تمام مشکلات کا حل ہوجاتا ہے،

اس قاضی اعلی کا احکام اسلامی کے اجراء معاملات کے تصفیہ اور مصالح مسلمین کی بناپر بعض مستحب و جائز قانونی امور کا واجب گرداننا ممکن ہے،

اس تفصیل سے واضح ہوگا کہ شریعت اسلامی کے کسی جائز اور مستحب قانونی امر کو واجب اور لازم قرار دینے کی کیا شکل ہے؟ اگر اس شکل کو اختیار کیا جائے، تو اس شکل (درج نکاح کو لازمی قرار دینا) کے حل ہونے کے علاوہ مسلمانون کے نکاح و طلاق و فسخ وغیرہ کی تمام دقتین رفع ہوجائین گی؛

مسلمان غیرمسلم حکومتون مین جہان کہین بھی آباد ہین، یا گذشتہ صدیون مین چین، ہندوستان، روم، جہان کہین بھی اسلامی قبضہ سے پہلے آباد تھے، اسی نظام کے ماتحت وہ ان غیرمسلم حکومتون مین آباد تھے، اور تاریخ اور سفرنامون مین اس کی پوری تفصیل موجود ہے، ہندوستان پر اسلامی قبضہ سے پہلے سواحل ہند مین راجاؤن کے ماتحت جو مسلمان رہتے تھے، ان کے اس نظام کے مسلمان افسر اعلیٰ کا نام "ہنرمند" ہوتا تھا جس کو راجہ مسلمانون کی مرضی سے ان پر مقرر کرتا تھا، اور آج بھی فلسطین، شام، تونس، الجیریا، حتی کہ روس اور فلپائن مین بھی یہی صورت ہے، بلکہ خود ہندوستان کی اسلامی حتی کہ

ہندو ریاستون مین بھی اس پر عمل ہے،

قاضیون کے لئے یہ ضروری نہین ہے کہ وہ مسلمانون کے تمام امور و معاملات مین احکام اور فیصلے جاری کرین، بلکہ حکومت وقت جس قدر اور جتنے اختیارات، اور حقوق اور جن معاملات تک ان کے اختیارات کو محدود کرنا چاہے کرسکتی ہے، چنانچہ کتب فقہ مین یہ جزئیہ مذکور ہے،

و منہا (ای من احکام القضاۃ)	اور قاضیون کے احکام مین سے ایک یہ ہو
صحۃ تعلیقہ و اضافتہ و تقییدہ	کہ والی اپنے قاضی کے زمانہ اور مکان کی
بزمان و مکان،	تعیین کردے (یعنی یہ کہ اس کے قضا کے
(بحرالرائق)	حدود کہان تک ہون گے، اور کب تک ہونگے)
و لو استثنی حوادث فلان	اسی طرح یہ بھی درست ہے، کہ بعض قسم کے
لا یقضی فیہا و لو قضی لا ینفذ	معاملات کو مستثنیٰ کردے، اگر قاضی
(بحرالرائق)	ان مقدمات کا فیصلہ کریگا جن مین اس کو
	قاضی نہین بنایا گیا، تو وہ فیصلہ نافذ نہین ہوگا،
اذا قلد السلطان رجلاً قضاء	اگر امام کسی شخص کو کسی خاص شہر کا قاضی
بلدۃ کذا لا یصیر قاضیا فی سواد	بنائے، تو وہ شخص اس شہر کے اطراف کا
تلک البلدۃ ما لم یقلد قضاء	قاضی نہ ہوگا، جب تک امام یہ تصریح
البلدۃ و نواحیہا،	نہ کردے کہ وہ اس شہر اور اس کے اطراف
(عالمگیری)	کا بھی قاضی ہے،
و اذا علق السلطان الامارۃ	اگر امام امیر کی امارت یا قضا کو بعض
و القضاء بالشروط و اضافہا الی	شرطون سے محدود کردے، اور اس کو کسی

وَقَّتَ فِي الْمُسْتَقْبَلِ ....
فإن ذلك جائز وإذا قلد السلطان
رجلا قضاء يوم بعينه يجوز ويتأقت
وإذا قيده بالمكان يجوز و
يتقيد بذلك المكان ولو
يجوز استثناء سماع بعض الحكومات
(عالمگیری)

آیندہ زمانہ کی طرف نسبت کردے تو یہ
جائز ہے، اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ
اگر سلطان کسی شخص کو کسی خاص دن کا
قاضی بنادے، تو وہ اسی دن کا قاضی
ہوگا، اور اگر کسی خاص مقام کی قید لگادے
تو اسی مقام کا قاضی ہوگا، اور ایسا ہی
اگر بعض مقدمات کی سماعت کا اختیار
نہ دے، تو یہ بھی جائز ہے،

اس لئے اگر موجودہ حالت مین ان قاضیون کے اختیارات نکاح و فسخ وطلاق اور ان کے متعلقات تک محدود رکھے جائین تو جائز ہوگا، اور ان مسائل مین اُن کا فیصلہ صحیح ہوگا، اور اس طرح ان مسائل مین مسلمانون کی دقتون کا خاتمہ ہوگا، اور حکومت اور رعایا دونون کے لئے اس مین خیر و فلاح کی توقع کی جاسکتی ہے، بخلاف اس کے اگر مسلمان قاضیون کو اختیارات نہ دیئے جائین، اور قانون کی یہی شکل ہو کہ اس کی تنفیذ تمام عمالِ حکومت کے ہاتھ سے ہو، خواہ وہ مسلم ہون یا غیر مسلم تو ہماری قطعی رائے ہے کہ غیر مسلم کی جانب سے نہ جبری اندراج کا حکم صحیح اور قابلِ قبول ہوسکتا ہے، اور نہ مسلمانون کی مشکلات کا خاتمہ ہوگا۔

رحمتِ عالم

مدرسون اور اسکولون کے طالب علمون کے لئے عام فہم اور سادہ زبان مین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سیرت ضخامت ... صفحے قیمت مجلد ۱۲؍ غیر مجلد ۸؍ (طبع چہارم)

"منیجر"

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

جناب مولانا عبد السلام صاحب ندوی

(۲)

ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلہ یعنی خیر و شر کے متعلق تمام نظریات کو جمع کرکے اپنا ایک مستقل نظریہ قائم کیا ہے،

(۱) ان کے نزدیک تخلیق انسانی کا مقصد حصولِ لذت نہین ہے،

مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن ۔ نہ سیرِ گل کے لئے ہے، نہ آشیان کے لئے

ترا از خویشتن بیگانہ سازد ۔ من آن آبِ طربناکے ندارم
بیا زارم مجو دیگر متاعے ۔ چو گل جز سینۂ چاکے ندارم

(۲) بلکہ خودی کا تحقق، کمال اور نشو و نما ہے، اور یہ تمام چیزین شر یعنی مصیبت اور رنج و الم سے حاصل ہوتی ہین،

اے لالہ، اے چراغِ کہستان و باغ و راغ ۔ در من نگر کہ می دہم از زندگی سراغ
داغے بسینہ سوز کہ اندر شبِ وجود ۔ خود را شناختن نتوان جز باین چراغ
اے موجِ شعلہ سینہ بیا و صبا کشائے ۔ شبنم مجو کہ میدہد از سوختن فراغ
درمان ز درد ساز اگر خستہ تن شوی ۔ خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

غزالے با غزالے درد دل گفت ازین پس در حرم گیرم کنامے

بصحرا صید بندان در کمین اند بکام آہوان صبحے نہ شامے

امان از فتنۂ صیاد خواہم دلے ز اندیشہ ہا آزاد خواہم

رفیقش گفت اے یارِ خرد مند اگر خواہی حیات اندر خطر زی

دمادم خویشتن را بر فسان زن ز تیغ پاک گوہر تیز تر زی

خطر تاب و توان را امتحان است عیارِ ممکناتِ جسم و جان است

(۳) اصل فطرت اور مشیتِ الٰہی میں خیر و شر کچھ نہیں ہے،

چہ گویم نکتۂ زشت و نکو چیست زبان لرزد کہ معنی پیچدار است

برون از شاخ بینی خار و گل را درونِ او نہ گل پیدا نہ خار است

بلکہ عالم خارجی میں جب خودی تسخیر فطرت میں مصروفِ عمل ہوتی ہے، تو خیر و شر کا امتیاز پیدا ہوتا ہے، چنانچہ حضرت آدم بہشت سے نکل کر فرماتے ہیں،

گہے جز نیکے ندیدن یہ ہجوم لالہ زارے

گہے خار نیش زن را ز گل امتیاز کردن

یعنی جو چیزیں تسخیر فطرت میں خودی کی معاون ہوتی ہیں، ان کو وہ خیر اور جو چیزیں مزاحم ہوتی ہیں، ان کو شر سمجھتی ہے، اس لئے خودی معیار خیر و شر ہے،

نمود جس کی فراز خودی سے ہو وہ جمیل

جو ہو نشیب میں پیدا قبیح و نا محبوب

(۴) لیکن خیر و شر کا یہ امتیاز عقل سے ہوتا ہے، امام رازی نے لکھا ہے کہ اشاعرہ کے اصول کے مطابق خیر و شر کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا کیونکہ ان کے نزدیک عقلاً کوئی چیز نہ بری ہے، نہ بھلی، شریعت جس چیز

کو اچھا کہدیتی ہے، وہ اچھی، اور جس چیز کو برا کہدیتی ہے، وہ بری ہو جاتی ہے لیکن معتزلہ حسن و قبح عقلی کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک خود عقل نیک و بد کا امتیاز کرتی ہے، اس لئے ان کے نزدیک عقلاً خیر و شر کا وجود ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی معتزلہ کی راے اختیار کی ہے، اور خدا کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:-

غلامم جز رضاے تو نجویم جز آن راہے کہ فرمودی نپویم

ولیکن گر بہ این نادان بگوئی خرے را اسپ تازی گو نگویم

(۵) دنیا میں اصل وجود شر کا ہے، اور اسی شر کے ازالہ کا نام خیر ہے، یعنی شر وجودی اور خیر سلبی چیز ہے، اور اس مسئلہ میں وہ شوپنہار اور محمد بن زکریا رازی کے ہمزبان ہیں،

مرغے ز آشیانہ بسیرِ چمن پرید خارے ز شاخ گل بہ تنِ نازکش خلید

بد گفت فطرتِ چمن روزگار را از درد خویش و ہم ز غمِ دیگران تپید

نالید تا بجوصلۂ آن نوا طراز خون گشت نغمہ در دو چشمش فرو چکید

یہ مرغِ ستم زدہ شوپنہار ہے،

سوزِ فغانِ او بدلِ ہدہدے گرفت با نوکِ خویش خار ز اندامِ او کشید

گفتش کہ سود خویش ز جیبِ زیان برآر گل از شگاف سینۂ زرناب آفرید

یہ ہدہد نطشے ہے،

(۶) شوپنہار بھی اس زود فنا لذت و راحت کا منکر نہیں، مگر وہ آنی چیز ہے، قیام و بقا صرف شر کو ہے، اور ڈاکٹر صاحب بھی اس کے اس نظریہ سے متفق ہیں،

سحر می گفت بلبل باغبان را درین گل جز نہالِ غم نگیرد

بہ پیری می رسد خار بیابان ولے گل چون جوان گردد بمیرد

اس لئے زندگی نہ لذت و مسرت اس کے نزدیک اس عالمگیر، قائم و ثابت فطری شر کا بدل نہیں ہو سکتی، اور اس سے نجات کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس میدان ہی سے پاؤن ہٹا لیا جائے، عیسائی راہبون اور ہمارے صوفیون کا نظریہ بھی یہی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب اس کو شکست سمجھتے ہین،

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی مین — بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ الست
فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور — کہ معرکے ہین شریعت کے جنگ دست بدست
گریز کشمکشِ زندگی سے مردون کی — اگر شکست نہین ہے تو اور کیا ہے شکست

اس لئے وہ مردانہ وار شر کا خیر مقدم کرتے ہین،

کجا این روزگارے شیشہ بازے — بہشت این گنبدِ گردان ندارد
ندیدہ در دِ زندان یوسف او — زلیخایش دلِ نالان ندارد
خلیلِ او حریفِ آتشے نیست — کلیمش یک شرر در جان ندارد
بہ صرصر در نیفتد زورقِ او — خطر از لطمۂ طوفان ندارد
یقین را در کمین بوکِ مگر نیست — وصال اندیشۂ ہجران ندارد
کجا آن لذتِ عقلِ غلط سیر — اگر منزل رہ پیچان ندارد
مزی اندر جہانِ کور ذوقے — کہ یزدان دارد و شیطان ندارد
این عقدہ کشایہ خارِ صحرا — کم کر گلۂ برہنہ پائی

(۵) روح و جسم کا اتحاد و اثباتِ خودی کا یہ پانچوان مقدمہ ہے، اور مسئلہ خیر و شر سے تعلق رکھتا ہے، چوتھے مقدمہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ دنیا خیر و شر کی ایک رزمگاہ ہے، اور ڈاکٹر صاحب اس رزمگاہ سے پاؤن پیچھے نہین ہٹاتے، بلکہ اسی جنگ کو زندگی سمجھتے ہین،

سکندر با خضر خوش نکتہ گفت — شریکِ سوز و سازِ بحر و بر شو

تو این جنگ از کنارِ عرصہ بینی — بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو
میاسا با نرم بر ساحل کہ آنجا — نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز — حیاتِ جاودان اندر ستیز است

لیکن جنگ کے لئے طاقت کی ضرورت ہے، اور نطشے کے خیال مین طاقت ہی خیر و شر کا معیار ہے،

دوش رفتم بہ تماشائے خراباتِ فرنگ — شوخ گفتاری رندے دلم از دست ببرد
نطشے

گفت این نیست کلیسا کہ بیابی در وے — صحبتِ دخترکِ زہرہ وش و نای و سرود
این خراباتِ فرنگ است و ز تاثیرِ میش — آنچہ مذموم شمارند نماید محمود
نیک و بد را بترازوے دگر سنجیدیم — چشمۂ داشت ترازوے نصاری و یہود
خوب زشت است اگر پنجۂ گیرات شکست — زشت خوب است اگر تابِ توانِ تو فزود

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اگرچہ خیر و شر کا معیار قوت نہین بلکہ خودی ہے، جو قوت سے زیادہ وسیع اور عام ہے، تاہم وہ بھی زندگی کے لئے قوت کو ضروری سمجھتے ہین، اگرچہ انھون نے مسٹر نکلسن کو ایک خط مین لکھا ہے، کہ مسٹر ڈکنسن کے نزدیک مین نے اپنی نظمون مین جسمانی قوت کو منتہائے آمال قرار دیا ہے (اونھون نے مجھے ایک مکتوب لکھا ہے، جس مین یہی خیال ظاہر کیا ہے) انھین اس بارے مین غلط فہمی ہوئی ہے، مین روحانی قوت کا تو قائل ہون، لیکن جسمانی قوت پر یقین نہین رکھتا ہے، لیکن ان کی نظمون کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ وہ جسمانی ہی قوت کو منتہائے آمال سمجھتے ہین،

چمن خوش است و لیکن چو غنچہ نتوان زیست — قبائے زندگیش از دمِ صبا چاک است

سلہ اقبالنامہ ص ۴۶۰،

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساران زی   چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

گفت با الماس در معدن زغال   اے امینِ جلوہ ہاے لازوال

ہمدمیم و ہست و بود ما یکیست   در جہان اصل وجود ما یکیست

من بکان میرم ز دردِ ناکسی   تو سر تاج شہنشاہان رسی

گفت الماس اے رفیق نکتہ بین   تیرہ خاک از پختگی گردد نگین

تا بہ پیرامونِ خود در جنگ شد   پختہ از پیکار مثل سنگ شد

خوار گشتی از وجود خامِ خویش   سوختی از نرمیِ اندام خویش

فارغ از خوف و غم و وسواس باش   پختہ مثل سنگ شو الماس باش

در صلابت آبروے زندگی است   ناتوانی، ناکسی، ناپختگی است

طائرے از تشنگی بیتاب بود   در تنِ او دم مثالِ موج دود

ریزۂ الماس در گلزار دید   تشنگی نظارۂ آب آفرید

مایہ اندوزِ نم از گوہر نشد   زد برو منقار و کامش تر نشد

گفت الماس اے گرفتار ہوس   تیز بر من کردہ منقار ہوس

قطرۂ آبے نیم ساقی نیم   من براے دیگران باقی نیم

آب من منقار مرغان بشکند   آدمی را گوہر جان بشکند

طائر از الماس کامِ دل نیافت   روے خویش از ریزۂ تابندہ تافت

قطرۂ شبنم سرِ شاخِ گلے   تافت مثل اشکِ چشمِ بلبلے

مرغِ مضطر زیرِ شاخِ گل رسید   در دہانش قطرۂ شبنم چکید

اے کہ می خواہی ز دشمن جان بری   از تو پرسم قطرۂ یا گوہری

چون ز سوزِ تشنگی طائر گداخت   از حیاتِ دیگرے سرمایہ ساخت

قطرہ سخت اندام و گوہر خو نبود   ریزۂ الماس بود و او نبود

غافل از حفظِ خودی یک دم مشو   ریزۂ الماس شو شبنم مشو

پختہ فطرت صورتِ کہسار باش   حاملِ صد ابر دریا بار باش

خویش را دریاب از ایجاب خویش   سیم شو از بستن سیماب خویش

اس لئے اگر اس قسم کی نظمون سے مسٹر ڈکنسن نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ قوتِ جسمانی کو منتہاے آمال قرار دیتے ہین، تو اس کو غلط نہین کہا جا سکتا، لیکن اس تضاد کو اس طرح رفع کیا جا سکتا ہے، کہ

(۱) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جسمانی قوت سے روحانی قوت حاصل ہوتی ہے، صوفیون اور راہبون کا خیال ہے کہ جسم کو جس قدر ضعیف کیا جائے، اسی قدر روح طاقتور ہوتی ہے، اور اسی لئے وہ مجاہدہ، ریاضت اور روزہ و گرسنگی سے جسم کی طاقت کو زائل کرتے ہین، لیکن اس کے برعکس ڈاکٹر صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ جسم کی طاقت سے خود روح طاقتور ہوتی ہے،

تو گوئی طائرِ ما زیرِ دام است   پریدن بر پرِ بالش حرام است

ز تن برجستہ تر شد معنی جان   فسانِ خنجرِ ما از نیام است

(۲) اس سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ روح و جسم دونون کو جیسا کہ ہمارے متکلمین کا مذہب ہے ایک تسلیم کیا جائے اور اس صورت مین جسمانی اور روحانی طاقت ایک ہو جاتی ہے، اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے بعض موقعون پر اس کے خلاف بھی رائے ظاہر کی ہے،

ندانم بادہ ام یا ساغرم من   گہر در دامنم یا گوہرم من

چنان بینم چو بر دل دیدہ بندم   کہ جانم دیگر است و دیگرم من

تاہم ان کا اصلی میلان اسی طرف ہے کہ روح وجسم مین مغائرت نہین، بلکہ اتحاد ہے، چنانچہ مثنوی گلشن راز جدید مین اس کو نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے،

تن و جان را دوتا گفتن کلام است

تن و جان را دوتا دیدن حرام است

(۶) مسئلۂ جبر و اختیار، اثباتِ خودی کا یہ چھٹا مقدمہ ہے، اور تمام مقدمات سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ خودی کے تحقق ونشو ونما کے لئے قدرت اور اختیار لازمی ہین، لیکن یہ مسئلہ جس قدر اہم ہے، اسی قدر پیچیدہ بھی ہے، اور اس پیچیدگی کی وجہ یہ ہے، کہ انسان کو دو نسبتین حاصل ہین، ایک نسبت تو اس کو خدا کے ساتھ ہے، اور اس حیثیت سے وہ خدا کے مقابل مین ایک ہیچ عاجز و درماندہ اور بے بس و مجبور ہستی ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی اس حیثیت سے خدا کے سامنے نہایت نیازمندی کے ساتھ اپنے عجز و مجبوری کا اعتراف کیا ہے، وہ خدا کو مخاطب کر کے کہتے ہین،

مرغِ خوش لہجۂ و شاہین شکاری از تست   زندگی را روشِ نوری و ناری از تست

دلِ بیدار و کفِ خاک و تماشائے جہان   سیرِ این ماہ بشب گونہ عماری از تست

ہمہ افکارِ من از تست چہ در دل چہ بلب   گہر از بحر بر آری و نہ بر آری از تست

من ہمان مشتِ غبارم کہ بجائے نرسد   لالہ از تست و نمِ ابرِ بہاری از تست

نقش پرداز توئی ما قلم افشانیم   حاضر آرائی و آیندہ نگاری از تست

گلہ ہا داشتم از دل بز بانم نرسید   مہر و بے مہری و عیاری و یاری از تست

انسان کا نوشتۂ تقدیر خود خدا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، "جف القلم بما ہو کائن" اور انسان کو اسی راستے پر چلنے کی کوشش کرنا چاہئے، لیکن یہ کوشش بھی خدا ہی کے اختیار مین ہے،

تو بوحِ سادۂ من ہمہ مدعا نوشتی   دگر آنچنان ادب کن کہ غلط نخوانم او را

لیکن دوسری نسبت اوس کو خدا کے علاوہ تمام کائنات کے ساتھ ہے، اور اس حیثیت سے وہ تمام کائنات کے مقابل مین بالکل خود مختار، اور آزاد نظر آتا ہے، سلسلۂ کائنات مین ایک ذرہ سے لے کر آفتاب و ماہتاب تک ایک خاص قانون کے پابند ہین، اور اس محدود دائرہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے لیکن اُن کے مقابل مین انسان کی قدرت، اختیار اور ایجاد و اختراع کی کوئی حد ہی نہین،

دمِ مرا صفتِ بادِ فرودین کردند   گیاہ را ز سرشکم چو یاسمین کردند

نمود لالۂ صحرا نشین ز خونابم   چنانکہ بادۂ لعلے بساتگین کردند

فروغِ آدمِ خاکی ز تازہ کاری ہاست   مہ و ستارہ کنند آنچہ پیش ازین کردند

اسی تازہ کاری کا دوسرا نام تخلیق ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اس مین انسان کو بھی خدا کا شریک بنا دیا ہے،

جہان او آفرید، این خوب تر ساخت

مگر با ایزد انباز است آدم

لیکن یہ شاعرانہ ادعا ہے، ورنہ فلسفیانہ حیثیت سے اونھون نے جبر و اختیار کے درمیان ایک متوسط نظریہ اختیار کیا ہے، اور تخلیق کے دو حصے کر دیئے ہین، ایک تخلیق کا تعلق مادیات اور عالم جسمانی سے ہے، اور اس تخلیق مین انسان خدا کا شریک نہین، آفتاب و ماہتاب، زمین و آسمان، کوہ و دریا، شجر و حجر، حیوانات، نباتات اور معدنیات سب خدا کے پیدا کئے ہوئے ہین، اور ان کی تخلیق مین انسان بالکل عاجز و مجبور ہے، وہ ایک ذرہ کو بھی نہین پیدا کر سکتا، اس لئے اوس کو مختار، قادر اور آزاد نہین کہہ سکتے، خدا نے ان چیزون کو انسان کے فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے، اس لئے اگر وہ ان کا غلط استعمال کرتا ہے، تو خدا اوس پر الزام لگاتا ہے،

جہان را ز یک آب و گل آفریدم تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک پولاد ناب آفریدم تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہالِ چمن را قفس ساختی طائر نغمہ زن را

لیکن مادیات و جسمانیات میں خود کسی قسم کی قدرت نہیں، ان کا ذرہ ذرہ غیر منظم حالت میں بکھرا ہوا پڑا ہے، ہر جگہ انتشار، بے ترتیبی، اور نشیب و فراز ہے، اور خود ان میں ترتیب و تنظیم کی قدرت نہیں، یہ صرف انسان ہے، جو ان میں ترتیب و تنظیم پیدا کرتا ہے، اس لئے عالم جسمانی اپنی ترتیب و تنظیم کے لئے انسان کی آغوش میں پناہ لیتا ہے،

جہان کز خود ندارد دستگاہے بکوے آرزو می جست راہے

ز آغوشِ عدم دزدیدہ بگریخت گرفت اندر دلِ آدم پناہے

اب اس کی حیثیت ایک طفل شیر خوار کی ہو جاتی ہے، اور انسان اس کی پرورش کرکے اس کو ایک حسین و جمیل جوان بنا دیتا ہے، اور اسی تربیت و پرداخت کی بنا پر وہ خدا کے الزام کا یہ جواب دیتا ہے؛

تو شب آفریدی چراغ آفریدم سفال آفریدی ایاغ آفریدم

بیابان و کہسار و راغ آفریدی خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

صرف اسی عالم کی تخصیص نہیں، بلکہ عالم اخروی بھی انسان ہی کے اعمال و افعال کا پیدا کیا ہوا ہے، جنت و دوزخ کو صرف انسان کے کفر و اسلام نے پیدا کیا ہے، اس لئے وہ نہایت بلند آہنگی کے ساتھ کہہ سکتا ہے،

این جہان چیست؟ صنم خانہ پندار من است جلوۂ او گرو دیدۂ بیدار من است

ہمہ آفاق کہ گیرم بہ نگاہے او را حلقہ ہست کہ از گردش پرکار من است

ہستی و نیستی از دیدن و نا دیدن من چہ زمان و چہ مکان شوخی افکار من است

از فسون کاری دل سیر و سکون غیب و حضور این کہ غماز و کشایندۂ اسرار من است

آن جہانے کہ درو کاشتہ را می دروند نور و نارش ہمہ از سجہ و زنار من است

اے من از فیض تو پایندہ نشان تو کجاست این دو گیتی اثر ماست جہانِ تو کجاست

اب اس تخلیق کی بنا پر انسان کو مجبور بھی نہیں کہہ سکتے، بلکہ وہ نہ مجبور ہے، نہ مختار، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک متحرک زندہ طاقت ہے،

سراپا معنی سر بستہ ام من نگاہ حرف بافان بر نتابم

نہ مختارم توان گفتن نہ مجبور کہ خاکِ زندہ ام در انقلابم

اسی متحرک اور زندہ طاقت ہونے کی وجہ سے انسان اپنے اعمال و افعال میں آزاد اور اس کا ذمہ دار ہے، اور اسی عملی آزادی کی بنا پر انسانی خودی کی نشو و نما ہوتی ہے، اور وہ عذاب و ثواب کا مستحق ہوتا ہے،

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

ناچیز جہان مہ و پرویں ترے آگے وہ عالم مجبور ہے تو عالمِ آزاد

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(باقی)

نورالدین محمد ظہوری کا مولد

از

جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (بستی)

نورالدین محمد ظہوری (متوفی ۱۰۲۵ھ) کی شخصیت محتاجِ تعارف نہین، اس کی سہ نثر اور ساقی نامہ دونون کو شہرت دوام حاصل ہو چکی ہے، لیکن اس کے سلسلۂ واقعات کی ہر کڑی نہایت الجھی ہوئی ہے، حتی کہ نام اور وطن تک کے بارے مین مورخین اور تذکرہ نویسون مین اختلافات ہین، بعض بیانات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ قاین[1] مین پیدا ہوا، تذکرہ نویسون کا ایک گروہ اس کو ترشیز[2] المولد قرار دیتا ہے، اسی مین کچھ ایسے ہین، جو اس کے قریہ تک کا نام بتاتے ہین، دو ایک بیانون

[1] قاین صوبۂ خراسان مین ایک خطہ یا کمشنری ہے، جو ترشیز کے جنوب مین واقع ہے، خطۂ قاین اور خطۂ ترشیز کے درمیان مین خطۂ تون واقع ہے، اس کا صدر مقام تون، اور خطۂ قاین کا صدر مقام قاین ہے

[2] ترشیز (بتاے مضموم) تاے مفتوح درست نہین ہے، ایران کے نقشون سے ایسا ہی ظاہر ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد ۴ ص ۱۰۲۱)، یاقوت اور مقدسی کے بیانات اسی امر کی تائید کرتے ہین، بمبئی یونیورسٹی کے مخطوطات فارسی کے کیٹیلاگ نے صاف طور سے لکھا ہے، کہ اس کو تاے مفتوح سے پڑھنا بالکل غلط ہے، (ص ۱۷۰، ۱۷۱) اس کے متعلق ذیل کا بیان بہت اہم ہے :-

"در قرن دہم حتی بلوکے را کہ در پشت جبال بود کہ از طرف جنوب محدود بہ جلگۂ نیشاپور است مثل بلوک پشت باشہر عمدہ اش ترشیز در جزو نیشاپور محسوب می داشتند، درین زمان کلمۂ ترشیز بہ تمام بلوک اطلاق می شود، خود شہر گاہ بہمان اسم و گاہے بہ تمام سلطان آباد"

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ولادت تربت[1] مین ہوئی تھی، دو تذکرے اس کو طہرانی الاصل قرار دیتے ہین، کچھ اقوال سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تبریزی تھا، ایک تذکرے مین وہ شیرازی بتایا گیا ہے،

خود ظہوری نے کہین کہین اشعار مین اپنے وطن کی طرف اشارہ کیا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ خراسان مین پیدا ہوا تھا، البتہ دو مقام پر اس نے صراحۃً یہ لکھا ہے، کہ اس کی پیدائش

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۸) ذکر می شود (جغرافیاے تاریخی ایران بارتھلڈ مترجم حمزہ سردادور ص ۱۶۰)

اس بیان کے برخلاف بمبئی یونیورسٹی کے کیٹیلاگ نے لی، اسٹرنگ کی تالیف (ممالک خلافتِ شرقیہ) ص ۳۵۲ کے حوالہ سے ذیل کا بیان نقل کیا ہے :-

"ترشیز ایک ضلع تھا، شہر کا نام نہ تھا، البتہ قرونِ وسطیٰ مین ترشیز ایک معروف و خوش حال شہر تھا جو قہستان کے جنوبی مغربی گوشہ مین نیشاپور کے جنوب مین واقع تھا، لیکن تیمور نے جب ۷۸۳ھ، ۱۳۸۱ء مین اس کا محاصرہ کیا، تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لئے یہ شہر معدوم ہو گیا، اس زمانہ مین بھی ضلع کا نام باقی ہے، لیکن شہر کا وجود نہین پایا جاتا،"

مگر بارتھلڈ کے متذکرۂ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے، کہ دسوین صدی ہجری تک یعنی حملۂ تیمور کے تقریباً دو سو برس بعد تک یہ شہر اسی نام سے باقی تھا، اب بھی وہ شہر موجود ہے، جس کو کبھی ترشیز اور کبھی سلطان آباد کہتے ہین، ایران کے نقشون مین (صدر مقام کا نام) سلطان آباد ہی لکھا ہے، بارتھلڈ کے بیان کی تائید گنج دانش (ص ۳۰۰ طبع ایران) سے بھی ہوتی ہے، "ترشیز نام شہرے ست از بلاد خراسان مشتمل بر دہات و قریٰ و قصبات و پایۂ تختِ آن را سلطانیہ (غالباً مخفف سلطان آباد) می گفتند...... و شہر ترشیز واقع ست در اواسط شہرہاے خراسان" تحفۃ الکرام ص ۲۳۲ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کہ شہر کا وجود اب تک باقی ہے، گو نام مین ذرا تبدیلی واقع ہو گئی ہے،

[1] تربت ترشیز کے جنوب مین ایک شہر ہے، خراسان مین اس نام کے دو مقام ہین، تربتِ حیدریہ، تربتِ جامی، اول الذکر قاین کے قریب واقع ہے، یہان کے مشاہیر مین میرزا ابوطالب (مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۶۴۰) میر حسن کفری ([illegible] جلد ۳) اور مولانا درویش تربتی (ج ۳ ص ۱۶۸۳) قابلِ ذکر ہین،

قائین[1] میں واقع ہوئی، ایک قصیدہ میں جو ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ - ۱۰۳۷ھ) کی مدح میں ہے،
اپنی محبت اور وفاداری کا اظہار ذیل کے اشعار میں کرتا ہے، (ص ۵۰ کلیات)

شد بہ ہجرت درست نسبتہا — دشتنہ در شکستن وطن است
ربط ہجرت بہ جان پاک ولان — راست گوئی کہ ربط جان و تن است
انجم و پرتوش چہ خواہد بود — عارضت آفتاب انجمن است
کس ندانم نظیر خود بہ وفا — ہم ظہوری نظیر خویشتن است
در محبت اویسیان ہستند — ملک قائین قرینہ قرن است

آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظہوری ملک (علاقہ) قائین میں پیدا ہوا تھا، ساقی نامہ
میں تعریف قلم کے ذیل میں شعرائے متقدمین کی تعریف کرکے اپنی طرف رجوع کرتا ہے (ص ۱۲۶)

نظر بر چو من ناتوانے فگند — نفس تا قت در صید گردون کمند
بہ بستان قائن فنا وش عبور — ظہوری از و کرد شہرے ظہور

اس واقعہ کی تائید ابراہیم زبیری کے بھی بیان سے ہوتی ہے، مؤلف نے بساتین السلاطین میں
دو جگہ ظہوری کو قائنی بتایا ہے، مقدمہ میں (ورق ۲) لکھتا ہے :-

"ملا ظہور ولد ملا ظہوری قائینی کہ منشآت سحر آیاتش مشہور و معتبر و مقبول عالمیان است"

پھر ابراہیم عادل ثانی کے احوال کے ذیل میں رقمطراز ہے :-

"از جملہ سخنوران آن زمان ملا ظہوری قائینی ہست" (صفحہ ۱۲۵)

---

[1] حکیم شمس اللہ قادری صاحب نے اورنٹیل کالج میگزین (اگست ۱۹۲۹ء) میں فارسی ادب کی تاریخ کے سلسلہ میں
تذکرہ شعرائے قائنات (نمبر ۱۳) کی اطلاع دی تھی جس کو ضیاء الدین قائنی نے مرتب کیا تھا، اور یہ بھی بتایا تھا کہ
تذکرہ رامپور کے سرکاری کتاب خانہ میں ہے، لیکن مجھے کتابخانہ مذکور میں باوجود تلاش کے نہ مل سکا [2] قائین ترشیز

مؤلف مذکور کی یہ نسبت جو اس نے ظہوری کی طرف منسوب کی ہے، خود ظہوری کے قول کی
مؤید ہونے کے علاوہ چند دیگر وجوہ سے بہت اہم ہے،

(۱) مؤلف کے پیش نظر ظہوری کے بیٹے ظہور کا محمد نامہ ہے، جو سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۶ھ تا
۱۰۶۷ھ) کے زمانہ کی تاریخ ہے، ملا ظہور نے تاریخ مذکور کا دیباچہ لکھا تھا جس میں کتاب کی وجہ تالیف
بیان کی تھی، شاید اس دیباچہ میں مؤلف نے اپنے باپ کی وطنی نسبت بھی لکھی، اور ابراہیم زبیری کو یہ
نسبت وہیں سے ملی ہو،

(۲) ابراہیم زبیری کا ظہوری کو قائینی لکھنا کتابت کی بھی غلطی پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ
(ا) یہ نسبت دو مقام پر پائی جاتی ہے، غلطی ایک جگہ ہوتی ہے، دوسری جگہ اس کی تصحیح کا امکان
رہتا ہے، (ب) مطبوعہ[3] نسخے میں بھی ظہوری کو قائینی ہی لکھا گیا ہے (س) ڈاکٹر ریو[4] نے اس تاریخ
کے ماخذ کے سلسلہ میں ملا ظہور کا ذکر کیا ہے، اور اس کے ساتھ اس کے باپ کو ظہوری قائینی ہی لکھا ہے،
(د) اس کے ماخذ کے دوران میں ڈاکٹر ایتھے[5] نے بھی ظہوری کی یہی نسبت بیان کی ہے،

(۳) مؤلف مذکور نے جس ظہوری کو قائینی لکھا ہے، وہ وہی ظہوری ہے، جس کو لوگ ترشیزی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶۰) کی طرح ایک ولایت ہے، اس کا ثبوت ذیل کے بیان سے ملتا ہے :-
"(سہراب خلیفہ) پائے ثبات و مردانگی افشردہ ولایت تون، و قائین و طبس و بجستان و
ترشیز و محولات و دشت و بیاض وغیرہ را در تصرف آورد" (ماثر جلد ۳ ص ۵۱۶)

[1] و [2] بساتین السلاطین قلمی ورق ۲، محمد نامہ کا ایک نسخہ ڈاکٹر جادو ناتھ سرکار کے کتبخانہ میں ہے،
باوجود کوشش کے اب تک اس کے مطالعہ کا موقع حاصل نہ ہوسکا [3] سیدی پریس حیدر آباد میں طبع
ہوئی ہے [4] فہرست مخطوطات فارسی موزہ برطانیہ ج ۱ ص ۳۱۹
[5] فہرست دیوان ہند ج ۱ ص ۱۷۳

سمجھتے ہیں، کیونکہ (۱) ظہوری ترشیزی جن کتابوں کا مؤلف بتایا جاتا ہے، وہی تاریخ مذکور میں (ص ۱۲۵) ظہوری قائینی ہی کی طرف منسوب کی گئی ہیں (ب) ظہوری ترشیزی کی طرح ظہوری قائینی کے منشآت شہرۂ آفاق قرار دیئے گئے ہیں، (ص ۶۴) (س) نورس کی وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں لکھا ہے، (ص ۱۱۴) کہ ملا ظہوری نے اپنے دیباچہ کا نام نورس رکھا، ظہوری ترشیزی بھی اسی دیباچہ کا مولف ہے (د) ظہوری ترشیزی کی طرح ظہوری قائینی ابراہیم عادل شاہ ثانی کا درباری شاعر ہے،

جن تذکرہ نگاروں نے ظہوری کو ترشیزی قرار دیا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، نیز ان میں نہایت ہی معتبر معاصر تذکرہ نویس ہیں، جن کے بیان عموماً بہت مستند ہیں، اور ظہوری کے واقعات خصوصاً اور بھی معتبر ہیں، ان میں تقی کاشی (صاحب خلاصۃ الاشعار)[۱] عبد الباقی نہاوندی (مؤلفہ مآثر رحیمی)[۲] تقی الدین اصفہانی (عرفات العاشقین)[۳] خاص طور پر قابل ذکر ہیں،

مورخوں میں ابوالفضل[۴] نے ظہوری کو ترشیزی قرار دیا ہے، اس کے بعد شیر خان لودی، کشن چند اخلاص، والہ داغستانی حسین دوست سنبھلی، آزاد بلگرامی، نقش علی، ابراہیم خان خلیل، ابوطالب تبریزی، احمد علی ہاشمی، عشق عظیم آبادی وغیرہ ہیں جنھوں نے معاصرین کی اتباع میں ظہوری کو ترشیزی الاصل قرار دیا ہے،[۵] طرح موجودہ زمانے کی فارسی اور اردو ادب کی تمام تاریخوں نے اسی گروہ کی پیروی کی ہے، ایران کی تاریخ ادبیات میں ظہوری کا ذکر ہے، آذر اور ہدایت نے اس کو اصلاً ترشیزی قرار دیا، رضا زادہ شفق

---

[۱] اس کا کوئی مکمل نسخہ ہندوستان میں موجود نہیں ہے [۲] مطبوعہ ص ۹۳ تا ۳۹۰ قلمی ورق ۲۸ الف تا ۲۸ ب [۳] ورق ۲۴ ب [۴] آئین اکبری جلد ۱ ص ۱۸۲ [۵] مولف خلاصۃ الکلام، اس تذکرہ کا حسب ذیل بیان اہم ہے:

"اصلش از قصبۂ ترشیز، حال انگیز ست و بعضے مولدش خجند در توابع ترشیز دامین احمد رازی او را تربت نوشتہ اما قول او صحت وارد (ورق ۳، نسخہ بانکی پور) و صحف ابراہیم ورق ۱۰۵ (الف)

اور محمد حسین جان بانی نے ظہوری کو ترشیزی ہی بتایا ہے،

تقی کاشی کا بیان اسپرنگر کی مرتب کی ہوئی فہرست[۱] اودھ سے ملا ہے، (کیونکہ مؤلف کے تذکرۂ خلاصۃ الاشعار کا جو نسخہ رام پور کے سرکاری کتاب خانہ میں محفوظ ہے، وہ ناقص الآخر ہے[۲] اس میں شعراے خراسان پورے مذکور نہیں ہیں، بانکی پور والا نسخہ تو بالکل ہی نامکمل ہے) اس سے صراحۃً پتہ چلتا ہے، کہ ظہوری ترشیزی الاصل تھا، صاحب مآثر رحیمی[۳] نے اس کی سکونت اور مولد کے متعلق حسب ذیل اطلاع بہم پہنچائی ہے:-

"وطن اصلی و مولد و منشاے او قریہ جمند از توابع ترشیز خراسان ست"

وطن سے مراد ہے کہ اس کے آباد اجداد کا مسکن یہی قریہ تھا، ظہوری کا بھی مولد یہی ہوا، اور اسی مقام پر اس کی نشو و نما ہوئی، اس بیان کی تائید خوش گو کے بھی اس قول سے ہوتی ہے[۴]

"می گویند کہ مولدش در خجند بودہ کہ در نواحی ترشیز ست"

خوش گو اور عبد الباقی کے بیان میں تھوڑا سا فرق ہے، (۱) خوش گو نے اس گاؤں کا نام بجائے جمند کے خجند بتایا ہے، (۲) خوش گو کے بیان سے صرف یہ پتہ چلتا ہے، کہ ظہوری کا مولد یہ قریہ تھا بخلاف اس کے عبد الباقی نے اس کو وطن اصلی، تولد و منشا سب کچھ قرار دیا ہے (۳) خوش گو کے بیان سے ترشیز اور خجند میں سوائے قربت کے اور کوئی تعلق ثابت نہیں ہوتا، لیکن عبد الباقی نے اس گاؤں کو

---

[۱] فہرست کتبخانۂ اودھ جلد ۱ ص ۴۴ [۲] ص ۳۹۴، بانکی پور کے قلمی نسخہ میں یہ بیان اور بھی صاف ہے:

"وطن اصل وے از قریہ جمند توابع ترشیز خراسان است و مولد و منشاے مومی الیہ نیز آن قریہ است و از آدمی زادگان آن مکان جنت نشان است (ورق ۸۴۴؟)

[۳] سفینۂ خوشگو فہرست بادلی ص ۲۲۹، بانکی پور کا نسخہ نامکمل ہے، پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ظہوری کا حال ہے،

ترشیز کے توابع مین شمار کیا ہے، اس سے ایک طرح کا سیاسی تعلق ظاہر ہوتا ہے،

پہلا اختلاف کتابت کی غلطی پر مبنی ہے، خجند اور جمند مین اس طرح یکسانیت ہے، کہ جمند کا خجند، اور خجند کا جمند پڑھ لینا بالکل عام بات ہے، میرے زیر مطالعہ مآثر رحیمی کا مطبوعہ نسخہ[1] تھا، اس مین جمند ہی لکھا ہے، بانکی پور کے نسخہ[2] مین بھی جمند ہی ہے، لیکن چند ایسے قرائن ہین، جن کی بنا پر قطعی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس قریہ کا نام خجند تھا، جمند کتابت ہی کی غلطی ہے،

۱- مآثر رحیمی کے مطبوعہ نسخہ کے مطابق ترشیز کے توابع مین ایک گاؤن اسی نام کا تھا، "مہد مومن لنگ از آدمی زادگان قریۂ خجند ترشیز خراسان است (ج ۳ ص ۱۶۷)

۲- واقعات سے پتہ چلتا ہے، کہ سفینۂ خوش گو مآثر رحیمی سے ماخوذ ہے، اور خوش گو نے یہ نام مآثر رحیمی سے لیا ہے،

۳- انڈیا آفس کے کٹیلاگ[3] نے مآثر رحیمی کے حوالہ سے اس گاؤن کا نام خجند ہی لکھا ہے،

۴- مدراس کے کتاب خانے کے کٹیلاگ[4] نے بھی مآثر ہی کے حوالہ سے اس قریہ کا نام خجند تحریر کیا ہے،

۵- عبد الغنی صاحب[5] نے اس کے حوالہ سے خجند ہی اس کا نام بتایا ہے،

۶- ابراہیم خلیل نے خلاصۃ الکلام[6] مین اس گاؤن کا نام (بغیر کسی حوالہ کے) خجند ہی لکھا ہے،

---

[1] ڈاکٹر ہدایت حسین کی تصحیح کے بعد رائل ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال نے تین جلدون مین طبع کیا ہے، جلد سوم مین شعراء وغیرہ کے حالات ہین، یہ دراصل خان خانان بیرم خان کی سوانح حیات ہے [2] عبد الملک آرومی نے ایک مقالہ ظہوری پر لکھا تھا، جو رسالہ ایوان گورکھپور مین مارچ ۱۹۳۳ء سے جون ۱۹۳۳ء تک شائع ہوتا رہا، یہ مقالہ اغلاط سے بھرا ہے، انھون نے بھی جمند ہی لکھا ہے، بانکی پور کا قلمی نسخہ غالباً اُن کے زیر مطالعہ تھا [3] بسلسلہ دیوان ظہوری، فہرست کتبخانہ، دیوان ہند [4] تاریخ زبان وادب فارسی در دربار مغلیہ جلد ۳ ص ۱۰۱ [5] ورق ۳۰،

اور چند قرائن سے یہ ثابت ہو کہ خلاصۃ الکلام کا بیان مآثر رحیمی سے ماخوذ ہے،

تیسرے اختلاف کے بارے مین یہ عرض کرنا ہے کہ اگر خجند اور ترشیز مین قربت کے علاوہ کوئی دوسرا سیاسی تعلق نہ ہوتا، تو اس گاؤن کا باشندہ ترشیزی مشہور نہ ہوتا، اور جب ہم دیکھتے ہین کہ تمام بلوک کو ترشیز کہا جاتا تھا، تو خجند اور ترشیز کا سیاسی تعلق ظاہر ہو جاتا ہے، لہذا مآثر رحیمی کا بیان خوشگو کے بیان پر فوقیت رکھتا ہے،

اسی سلسلہ مین قاموس المشاہیر کے ذیل کے بیان کو جانچ لینا بے محل نہ ہوگا، مؤلف کتاب ہذا بیان کرتا ہے.

"ملا ظہوری شہر ترشیز ضلع سبزوار کے رہنے والے تھے" (ج ۲ ص ۹۹)

اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ ترشیز ضلع سبزوار کا ایک شہر ہے حالانکہ ترشیز خود ایک خطہ ہے جس کا صدر مقام سلطان آباد اور ترشیز دونون نامون سے موسوم ہوتا ہے، اس کی شہرت سبزوار سے کہین زیادہ ہے، ایران کے ہر نقشہ پر "ترشیز" اب تک نہایت جلی حروف مین لکھا ہوا ملتا ہو صاحب قاموس نے غالباً یہ بیان مراۃ الخیال کے ذیل کے جملہ سے لیا ہے،

"اصلش از خطۂ ترشیز کہ در نواح سبزوار واقع شدہ" (ص ۷۷)

اس بیان سے ترشیز کا ایک علاقہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے لیکن ترشیز اور سبزوار مین سوائے نزدیکی کے دوسرا کوئی سیاسی تعلق ظاہر نہین ہوتا، اگرچہ اس قول مین بھی ایک طرح کا یہ سقم پایا جاتا ہے کہ جب ترشیز کی شہرت سبزوار سے زیادہ ہے، تو پھر اس کو آخر الذکر کی قربت کی نسبت سے بیان کرنا مہمل معلوم ہوتا ہے، مؤلف گنج دانش نے ترشیز کے حدود اربعہ مین لکھا ہے، کہ اس کے مغرب مین سبزوار واقع ہے،

پروفیسر عبد الغنی نے اپنی تالیف "تاریخ زبان وادب فارسی در دربار مغلیہ" مین ظہوری کے مولد کے

متعلق یہ جملہ لکھا ہے :-

"معاصر تذکرہ نگار مثل تقی اوحدی، عبد الباقی نہاوندی اس امر پر متفق ہین، کہ ظہوری کی پیدایش قریۂ نجند مین ہوئی، جو ترشیز صوبہ خراسان کے ضلع مین ایک گاؤن ہے،" (ج ۳ ص ۱۸۱)

اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقی اوحدی نے بھی اپنے تذکرۂ عرفات العاشقین مین عبد الباقی نہاوندی کی طرح اس قریہ کا ذکر کیا ہے، لیکن عرفات کا جو نسخہ[1] میرے زیر مطالعہ رہا، اس مین ظہوری کا تخلص تین مقام[2] پر مذکور ہے، لیکن صرف ذیل کے عنوان مین[3] وہ اپنی وطنی نسبت سے مذکور ہوا ہے "زبدۃ المتاخرین عمدۃ المتفردین، مظہر ظہور کمال معانی، استظہار عساکر سخندانی، فارس میدان بلاغت انگیزی، شیرین کلامی شکر ریزی، مولانا ظہوری ترشیزی"، اس ٹکڑے کے ہم وزن اور مقفی فقرے اس بات کی بین دلیل ہین، کہ بلاغت انگیزی اور شکر ریزی کے ساتھ سوائے ترشیزی کے اور کوئی دوسرا لفظ مثل نجندی نہین لایا جا سکتا تھا، اس لئے ممکن ہے کہ عبد الغنی صاحب نے عرفات مین کسی اور جگہ اس کے قریہ کا نام دیکھا ہو جو میری نظر سے نہ گذرا ہو،

متذکرۂ بالا بحث مین بالخصوص تین معاصر تذکرون کا بیان جانچا گیا ہے، ان تینون کے قول کے مطابق ظہوری کا وطن ترشیز مین یا اس کے کسی قریہ مین تھا، ان مین تقی کاشی سب سے متقدم ہے، اس کے

---

[1] باکی پور کا قلمی نسخہ، اس کے نسخے بالکل نایاب ہین، آزاد نے خزانۂ عامرہ مین لکھا ہے، کہ انھون نے ایک نامکمل نسخہ دیکھا تھا، لیکن خزانۂ عامرہ لکھتے وقت یہ تذکرہ ان کے پیش نظر نہ تھا، آرزو نے بھی اس کی نایابی کی شکایت کی ہے، ایسٹ انڈیا آفس مین جو نسخہ تھا، اور جس کو بلنڈ نے مطالعہ کیا ہے، وہ صرف حرف ق پر مشتمل تھا، ہندوستان کے کسی کتبخانہ مین اس کا نسخہ موجود نہین ہے، میرا خیال ہے، کہ پروفیسر عبد الغنی نے باکی پور ہی کا نسخہ مطالعہ کیا ہے [2] ورق ۴۳۴ ب، ورق ۲۲۴، ۲۲۵،

[3] ورق ۴۳۴ ب،

بیان کی اہمیت کی کوئی خاص وجہ سوائے اس کے نہین ہے، کہ اس کے زمانہ مین ظہوری زندہ تھا، اور دربار عادل شاہی سے وابستہ ہو چکا تھا، لیکن مآثر رحیمی کا بیان چند در چند وجوہ سے بہت اہم ہے،

(۱) ظہوری اور عبد الباقی دونون خان خانان سے متعلق رہ چکے تھے (۲) ممکن ہے کہ ظہوری سے دکن مین مل بھی چکا ہو، (۳) ظہوری کے لکھے ہوئے (غالباً خود اس کے ہاتھ کے) دو قصیدے اور ایک ترکیب بند عبد الباقی کے سامنے شاہ حسین[1] انجو نے خان خانان کی خدمت مین پیش کئے تھے، (۴) جب عبد الباقی ظہوری کے حالات زندگی مرتب کر رہا تھا، تو وہ زندہ تھا[2] ایک آدھ سال کے بعد جب اس پر نظر ثانی کا موقع ملا، تو اس وقت ظہوری فوت ہو چکا تھا، چنانچہ دوسرے اڈیشن[3] مین مؤلف مذکور نے اس کی اور اس کے خسر ملک قمی دونون کی وفات دو ماہ کے وقفہ سے بیان کی ہے (۵) اس کا بیان بہت مفصل ہے، جس سے اس کی صداقت کا اندازہ ہوتا ہے، (۶) گلزار ابراہیم یعنی ظہوری اور ملک کی مشترکہ تالیف کا پتہ صرف مآثر رحیمی ہی سے چلتا ہے، جس کی تصدیق خود ملک قمی کے بیان سے ہو جاتی ہے،

---

[1] شاہ حسین انجو بیجاپور کی سفارت پر گئے تھے، تفصیل کے لئے دیکھئے دربار اکبری ص ۷۰۹ [2] دونون شاعرون کے حالات زمانہ حال کے واقعات مین بیان کئے گئے ہین، ملک کے حالات کے ذیل مین ذیل کا جملہ پایا جاتا ہے (ورق ۹۰ ب)

"الحال کہ سنہ اربع وعشرین والف ہجری بودہ باشد، بہ گوشہ گیری و درویشی و فقر و مسکنت می گزرانند الخ"

لیکن اس سے قبل ظہوری کے سلسلہ مین لکھتا ہے :-

"و در بیجاپور آخر الامر بہ اجل موعود بتاریخ خمس وعشرین والف درگذشت (ظہوری)

و گویا میانۂ او و مولانا ملک شرط شدہ بود کہ در حیات و ممات باہم بودہ باشند بعد از دو ماہ از فوت

مولانا ملک این قضیہ روے وارد"

اوپر والی عبارت جو ملک کے ذیل مین ہے ۱۰۲۴ھ ہجری کی ہے، اور ظہوری والی ۱۰۲۵ھ ہجری کی ہے، اس سے یہ نتیجہ ظاہر ہو کہ ۱۰۲۵ھ ہجری مین مؤلف نے کتاب پر نظر ثانی کرکے دوسرا نسخہ تیار کیا، جو مطبوعہ نسخہ مین نسخہ ب قرار دیا گیا ہے، باکی پور کا بھی نسخہ اسی طرح کا ہے،

علاوہ ازین اس کتاب کی نوعیت، تعداد اشعار، صلہ و بخشش کی تفصیل درج ہے، جس سے یہ امر آئینہ ہوجاتا ہے، کہ مؤلف کو ظہوری کے واقعات نہایت مستند ذرائع سے حاصل ہوئے تھے، (۷) ظہوری کے صحیح حالات معلوم کرنے کی تمام آسانیان مؤلف مذکور کو حاصل تھین، (۸) ظہوری کی ولادت کا گاؤن تک بیان کر دینا اس کے مواد کے مستند ہونے کا کافی ثبوت ہے،

عرفات العاشقین کا بیان اس سے کچھ ہی کم درجہ کا ہے، کیونکہ اس کے مؤلف نے حسب ذیل اطلاع بہم پہنچائی ہے :-

"وقتے کہ بندہ در گجرات بودم اعنی در تکمیل ہزار و بیست این دو عزیز (ظہوری و ملک) اشعار مجدد فرمودہ خود را با تمام نزد مولانا نظیری نیشاپوری فرستادہ بودند و دے در صدد جواب غزلیات وغیرہ در آمدہ ہمہ را جواب گفت، و ہمہ را مطرح شعرائے آنجا ساختہ، بندہ ہر چند غزل بحسب اتفاق تتبع نمودہ، رفاقت بایشان نمودہ ایم" (ص ۴۴۳ ب و ص ۲۷۵)

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ صرف ظہوری کا معاصر ہی نہین تھا، بلکہ اس سے بہت ہی زیادہ وابستگی بھی تھی،

اسی سلسلہ مین ابو الفضل کے بیان کی اہمیت بھی واضح کر دینے کی ضرورت ہے، ابو الفضل دو نو مین خط و کتابت رہتی تھی، چنانچہ ظہوری نے ایک خط دربار اکبری کے ایک امیر مسمّی عماد خان کے نام لکھا ہے، اس مین حسب ذیل[1] جملہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے :-

"از حضرت علامی ہر تے شیوہ کہ نوشتہ نیامد و شنیدہ می شود کہ در خدمت حضرت بادشاہ ہستند"

اسی طرح ظہوری کا وہ مشہور خط جو فیضی کے نام سمجھا جاتا ہے، رام پور کے کلیات اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کی نثر[2] ہائے ظہوری مین ابو الفضل ہی کے نام سے موجود ہے، جب فیضی اور ظہوری مین

---

[1] بیاض قلمی بانکی پور ص ۲۰۱ تا ۲۰۲ [2] صفحہ ۱۰ تا ۹۲،

گہرے تعلقات تھے، تو ابو الفضل سے اگر خط و کتابت نہ بھی ہوتی، پھر بھی ظہوری کے متعلق اس کا بیان بہت اہم ہوتا،

حاصل کلام یہ کہ باوجود ان بیانات کے اتنے اہم ہونے کے یہ بات پایۂ تحقیق کو نہین پہنچ سکی، کہ ظہوری کی ولادت ترشیز یا اس کے توابع مین ہوئی، کیونکہ ایسا خیال کرنا خود ظہوری کے قول کی مخالفت کرنا ہے جس نے صاف طور سے اپنا وطن قاین کے دیہات مین بتایا ہے،

امین احمد رازی نے ہفت اقلیم مین ظہوری کو مشاہیر ترشیز کے ذیل مین بیان کیا ہے، اور ترشیز کے مشاہیر کی فہرست سے اس کو خارج کیا ہے، چونکہ مولف مذکور نے ان دونون مقامون کے مشاہیر الگ الگ بیان کئے ہین، اس سے یہ بات مسلم ہو جاتی ہے، کہ یہ کتابت کی غلطی نہین ہے، یعنی مولف مذکور کے نزدیک ظہوری ترشیزی تھا، نہ کہ ترشیزی اگرچہ اس کے ماخذ کا پتہ چلانا دشوار ہے، پھر بھی اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ فرشتہ کے دو قلمی[1] نسخون سے اس بیان کی تائید ہوتی ہے، اگرچہ تاریخ مذکور کے مطبوعہ[2] نسخے اس کو تبریزی ظاہر کرتے ہین، ہفت اقلیم کو تاریخ فرشتہ پر تقدم زمانی[3] حاصل ہے، اس لئے قطعی طور سے یہ نہین کہا جا سکتا، کہ اول الذکر کا یہ بیان تاریخ فرشتہ ہی سے لیا گیا ہے، لیکن چونکہ ظہوری اور محمد قاسم دونون (نظام شاہی اور عادل شاہی دربار مین) تقریباً ۲۰ سال تک ساتھ رہے ہین، اس لئے محمد قاسم کا بیان اس کے متعلق بہت اہم ہوگا، اور اس نے ظہوری کی وطنی نسبت کے لئے ہفت اقلیم کو ماخذ قرار نہ دیا ہوگا، اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے، کہ شاید مؤلف ہفت اقلیم نے تاریخ فرشتہ کے کسی حصہ سے یہ نسبت اخذ کر لی ہو،

---

[1] نسخہ مملوکہ کتاب خانہ امیر الدولہ لکھنؤ (بغیر التزام صفحات) و نسخہ مملوکہ کتاب خانۂ ریاست رام پور ص ۲۲۶، مگر غلطی سے تخلص بجائے ظہوری کے ظہیری دیا ہے، [2] پر بھی یہی غلطی موجود ہے، البتہ [illegible] پر صحیح تخلص دیا ہوا ہے، [2] طبع بمبئی اور طبع لکھنؤ، دونون مین [3] ہفت اقلیم سنہ ۱۰۰۲ھ کی تالیف ہے، اور تاریخ فرشتہ سنہ ۱۰۱۵ھ مین مرتب ہوئی،

اسی طرح قزوینی استرآبادی نے فتوحات عادل شاہی مین ظہوری کو ترشیزی قرار دیا ہے، مجھے تاریخ مذکور کا کوئی نسخہ دستیاب نہین ہوسکا، صرف اس کے ایک حصہ کا ترجمہ پروفیسر باسو صاحب[۱] کے توسط سے ملا، اس مین پروفیسر مذکور نے ظہوری کو ترشیزی لکھا ہے، اگرچہ یہ تاریخ ظہوری کی وفات کے ۲۶ سال بعد مرتب ہوئی، لیکن چونکہ یہ محض بیجاپور کی تاریخ ہے، اور اس کا مؤلف ظہوری کا معاصر تھا، اس کے بیٹے ملا ظہور کے ساتھ محمد عادل شاہ کے دربار مین تاریخ نویسی کی خدمت پر مامور تھا، اور مؤلف مذکور کی بیان کی ہوئی نسبت کی تائید فرشتہ اور امین احمد دونون کے قول سے ہوتی ہے، (یہ بھی ممکن ہو کہ اُس نے انھی ماخذ سے یہ نسبت اخذ کی ہو) اس لئے اس بیان کو بے حد اہمیت حاصل ہے، مزید برآن ترب ترشیز کے جنوب مین ایک شہر ہے، جس کا پورا نام تربتِ حیدریہ ہے، اور قاین بھی ترشیز کے جنوب مین ہے، اور دونون خراسان کے صوبے مین ہین، اس لئے جتنی نسبتین ظہوری کی طرف منسوب ہین، ان سب مین سب سے زیادہ اہم یہی ہے، ممکن ہے کہ ظہوری نے تعلیم کی غرض سے یا کسی اور وجہ سے یہان قیام کیا ہو، تاہم یہ مسلّم ہے کہ پیدایش کے اعتبار سے ظہوری ترشیزی نہین ہوسکتا، کیونکہ تربت ایک شہر ہے، اور قاین کی حدود سے باہر ہے، اور ظہوری قاین کے ایک گاؤن مین پیدا ہوا تھا، اگر یہ شہر قاین کے اندر ہوتا، پھر بھی ظہوری اپنے گاؤن یا ضلع یا صوبہ کی نسبت سے مشہور ہوتا، نہ کہ دوسرے شہر کی نسبت سے جس سے بظاہر کسی قسم کا تعلق نہ تھا،

جن بیانات سے ظہوری کا وطن تبریز ظاہر ہوتا ہے، ان مین خاص طور سے تاریخ فرشتہ کے دونون مطبوعہ نسخے قابلِ ذکر ہین، طبع بمبئی اور طبع لکھنؤ دونون مین ظہوری کو تبریزی بتایا گیا ہے،

---

[۱] انڈین ہسٹاریکل ریکارڈ کمیشن جرنل جلد ۱۶ ۱۹۳۹ء ص ۱۵۵ وبعد، اس تاریخ کا اکیلا نسخہ موزۂ برطانیہ مین ہے، سرجادو ناتھ سرکار نے اس کی ایک نقل حاصل کی، اسی سے پروفیسر باسو نے استفادہ کیا ہے، یہ تاریخ ۱۰۵۱ھ کے قریب مرتب ہوئی ہے،

مگر ظہوری کی یہ نسبت سراسر غلط ہے، کیونکہ خود ظہوری کے دیوان مین متعدد اشعار ہین جن سے اس کا خراسانی ہونا ثابت ہوتا ہے، مثلاً کہتا ہے ؎

هند و شکر به طوطی ارزانی　　بلبل گلبن خراسانیم

بلای غربت بیماری و غم ہجران　　غریب خاک خراسان کنم غمخواری

(کلیات نسخہ رامپور ص ۲۱۱، ص ۳۵)

تبریز[۱] آذربائی جان اور ارمنستان کے صوبے مین واقع تھا، خراسان کا صوبہ اس سے الگ ہے، اس لئے ظہوری کی تبریزی نسبت سراسر غلط ہے، اگر یہ غلطی محض کتابت کی معلوم ہوتی ہے، کیونکہ جیسا اوپر ذکر ہوچکا ہی محمد قاسم نہ صرف ظہوری کا معاصر ہے، بلکہ دونون ایک عرصہ تک مرتضیٰ نظام شاہ دیوانہ (۹۷۲ھ–۹۹۶ھ) کے دربار سے متعلق رہ چکے ہین، بعد ازان دونون تقریباً بیس سال ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دربار کے زلہ بار رہے ہین، گویا ظہوری کی ہندوستانی زندگی کے ۴۳ سال مین صرف چند سال ایسے گذرے ہین، جن مین دونون ساتھ ساتھ نہ رہے ہون، علاوہ ازین محمد قاسم نظام شاہی امرا مین تھا، اور ظہوری اسی دربار کا چوٹی کا شاعر تھا، پھر جب عادل شاہی دربار مین دونون کا ساتھ رہا، تو محمد قاسم شاہی مورخ کے عہدہ پر مقرر تھا، اور ظہوری درباری شاعر تھا، لہٰذا ظہوری کے وطن کے متعلق مورخ مذکور ایسی فاش غلطی نہین کرسکتا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ تاریخ مذکور کے مختلف نسخون مین بھی اختلاف ہے، جس سے یہ قیاس یقین کی حد تک پہنچ جاتا ہے، کہ مطبوعہ

---

[۱] جغرافیاے تاریخی ایران بارتھلڈ ص ۲۰۰ تا ۲۰۵، ماثر رحیمی کی ذیل کی روایت سے ثابت ہو کہ تبریز خراسان کی حدود سے باہر تھا :-

"پدر بزرگ وار ایشان یعنی میر معصوم چون در تبریز تاہل اختیار نمودہ بود سالہا در مراغہ تبریز
...... متعلق بودہ و میرزاے مشارٌالیہ در مراغہ نشوونما یافتہ و آنجا بہ خراسان شتافتہ"

نسخون مین ظہوری کا تبریزی مذکور ہونا محض کتابت کی غلطی کی بنا پر ہے،

کلمات الشعراء (تالیف محمد افضل سرخوش) کے نسخون مین بھی اسی طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے، یعنی بعض مین تبریزی اور بعض مین ترشیزی، مسٹر لادری کے چارون نسخون[1] مین تبریزی ہے، مین نے ابتدا مین جس نسخہ[2] کا مطالعہ کیا تھا، اس مین بھی تبریزی تھا، لیکن ولادری کے نسخہ (ب[3]) اور ریاست رامپور کے کتبخانہ کے چارون[4] نسخون مین اور اسپرنگر کے یہان[5] ظہوری کی نسبت تبریزی کے بجائے ترشیزی ہے، اس سے یہ بات طے ہو جاتی ہے، کہ تبریزی محض کتابت کی غلطی ہے، لطف علی بیگ آذر کے تذکرہ "آتشکدہ"[6] سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تبریز مین ظہوری تخلص کا ایک اور شاعر گذرا ہے، اس بیان مین کسی قسم کا سقم نہین ہے، کیونکہ ترشیز کے مشاہیر مین ظہوری ترشیزی مذکور ہے، اور مؤلف نے ظہوری تبریزی کا ایک شعر بھی درج کیا ہے، جو ظہوری ترشیزی کے کلیات سے خارج ہے، اس سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے، کہ ظہوری تبریزی ظہوری ترشیزی سے الگ شاعر تھا،

تذکرۂ میخانہ عبد النبی اور مراۃ العالم مؤلفہ محمد بقا دونون مین ظہوری کا وطن طہران بتایا گیا ہے، میخانہ کا بیان یہ ہے[7]:-

"منتخب دیوان نکتہ دانی مولانا ظہوری طہرانی...... مولدش از طہران است" (ص ۲۲۶، ۲۴۹)

عبد النبی ظہوری کا معاصر ہے، انہی چند وجوہ سے اس تذکرہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، میخانہ کے مآخذ کا پتہ لگانا بہت مشکل ہے، لیکن محمد بقا[8] نے ظہوری اور ملک کے حالات میخانہ ہی سے

---

[1] ولادری نے پانچ نسخون سے مقابلہ کرکے حال ہی مین چھپوایا ہے [2] نسخہ کتابخانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ [3] کلمات الشعراء مطبوعہ ص ۲، فٹ نوٹ [4] نمبر ۵، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۵۱
[5] فہرست اودھ ج ۱، ص ۱۱۲ [6] ذیل شعرائے تبریز [7] ص ۲۶۶، ۲۶۷،
[8] مراۃ العالم (بانکی پور) صفحہ ۵۵،

لئے ہین، اس قیاس کے وجوہ حسب ذیل ہین، (۱) جمہور رائے کے خلاف دونون نے ظہوری کو طہرانی قرار دیا ہے (۲) تمام تذکرون کے بیان کے خلاف ظہوری کا سنہ وفات ۱۰۲۴ھ بیان کیا ہے، (۳) دونون شاعرون کے واقعات کے سلسلہ مین دونون تذکرون کے چند جملے بالکل یکسان ہین، اور تمام جملون کی ترتیب بھی ایک ہی طرح ہے، (۴) ملک قمی کے دیوان کے اشعار کی تعداد دونون نے ایک لاکھ درج کی ہے، محمد بقا کے سامنے تذکرۂ میخانہ تھا، اس کی وجہ حسب ذیل ہے، (۱) سوائے مراۃ العالم کے عبد النبی اور اس کے تذکرہ کا حال کہین اور نہین ملتا، (۲) اکثر شاعرون کے حالات میخانہ ہی سے لئے ہین (۳) شاعرون کے ساقی نامون[1] سے اشعار منتخب کئے ہین، اور وہ اشعار بھی میخانہ ہی سے لئے گئے ہین، بہرحال جب یہ بات تقریباً مسلم ہو جاتی ہے، کہ محمد بقا نے ظہوری کی وطنی نسبت مین تحقیق کی بہ نسبت تقلید زیادہ کی ہے، تو اس کے قول کی اہمیت بھی کم ہو جاتی ہے،

ظہوری کو طہران کی طرف منسوب کرنا بلکہ صراحۃً اسی کو اس کا مولد قرار دینا سراسر غلط ہے، کیونکہ طہران نہ کبھی صوبۂ خراسان کی حدود مین شامل تھا، نہ اب ہے، بلکہ رے اور ہمدان[2] مین واقع تھا، اور اس عہد مین ایران کا دار السلطنت ہونے کی وجہ سے اس کو جو فوقیت حاصل ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، اس لحاظ سے عبد النبی اور محمد بقا دونون کا قول خود ظہوری کے قول کے خلاف ہے، کیونکہ آخر الذکر نے صاف صاف لکھا ہے، کہ وہ خراسانی ہے، دو شعر اوپر درج کئے جا چکے ہین، چند اشعار اور بھی مندرج ہین، جن سے اس امر کی بخوبی صراحت ہو جائے گی، کہ ظہوری خراسانی ہی تھا،

گرچہ خوبان خراسان بہ نمک مشہور اند   رفتہ بیرون ز سرم یاد وطن خوش نمکست

---

[1] مثلاً فرقتی کے ترجیع بند ساقی نامہ سے تین شعر ص ۱۴۱ ب صوفی مازندرانی کے ساقی نامہ سے پانچ شعر ص ۳۴۴ الف ظہوری کے ساقی نامہ سے ۵ شعر ص ۲۵۵، عبد النبی کے ساقی نامہ سے ۴ شعر ص ۲۵۶ الف
[2] جغرافیائے تاریخی ایران بارتھلڈ ص ۱۷۸، ۱۵۰،

درہند پیر گشتم و جامہ جوان ہمان	گویا ہمین زمان زخراسان سیدام
یارب بہ شہنشاہ خراسان کہ رسانی	بیچارہ غریبانِ دکن را بہ خراسان
غریب خاک خراسان ترا نواختہ است	اگر غریب نواز آمدی غریب مدان
بقیۂ غم و درد سے کہ ماندہ بود بہ ہر	غریب خاک خراسان بہ حکم ماموں بُرد

ان کے علاوہ دو مقالے ایسے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ وہ خراسان کے خطہ قائین کے دیہات مین پیدا ہوا تھا، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے ان وجوہ سے یہ امر پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتا ہے، کہ وہ طرانی نہین ہوسکتا، اور میخانہ کی روایت بالکل غلط ہے،

محمد حسین گوپاموی نے تذکرۂ روز روشن مین ظہوری کو شیرازی قرار دیا ہے، اور اس کو وحشی یزدی کا شاگرد بتایا ہے، یہ تذکرہ بہت حال کا ہے[1]، پھر بھی اس کے زمانے کا پتہ نہین لگایا جاسکا چونکہ ظہوری شیراز مین، سال تک مقیم رہ چکا تھا، اس لحاظ سے اگر اس کو شیرازی قرار دیا جائے تو ایک حد تک درست ہے، لیکن چونکہ اس نے ظہوری کو وحشی کا شاگرد بتایا ہے، اس لئے اس رائے کے قبول کرنے مین تامل ہوتا ہے، غالباً جس ظہوری کا ذکر مؤلف نے کیا ہے اس کی شخصیت ظہوری ترشیزی سے الگ ہے، اس قیاس کی تائید ذیل کے قرائن سے ہوتی ہے۔

(۱) تذکرۂ روز روشن مین ظہوری کا ایک شعر درج ہے، جو ظہوری ترشیزی کے دیوان مین نہین پایا جاتا،

(۲) ظہوری وحشی کا شاگرد نہین تھا، بلکہ اس کا مقابل شاعر تھا، جیسا کہ ذیل کے بیان سے صاف ظاہر ہے،

"و مدتے دران دیار (یزد) بہشت آثار کہ مجمع فضلاے ہر فن ست، در خدمت نواب فلکی

---

[1] یہ تذکرہ تیرھوین صدی کے اختتام پر مرتب ہوا ہے،

جناب .... میر غیاث الدین میر میران بسر برد، و با وجود وجود حسان الزمان وحشی بافقی (یزدی) دران سلسلۂ رفیعہ راہ مصاحبت و منادمت یافت و رعایت بیش از بیش دید و زینت و زیب مجالس و محافل آن عالی جاہ بود"،

جس طرح وحشی بافقی غیاث الدین کا مصاحب و ندیم تھا، اسی طرح ظہوری بھی اس کے دربار مین اعلیٰ درجہ رکھتا تھا اگر ظہوری وحشی کا شاگرد ہوتا، تو اُسے نہ غیاث الدین کی مصاحبت حاصل ہوسکتی تھی، اور نہ اس کی محفلون کی زینت کا فخر ہی مل سکتا تھا، "باوجود وجود حسان الزمان" کا ٹکڑا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے، کہ وہ وحشی کا حریف اور مد مقابل تھا،

ظہوری کی شاعری کی شہرت خود اس کے وطن کے قیام ہی کے دوران مین ہوچکی تھی، یزد مین محض اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے آیا تھا، نہ کہ وحشی کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنے، اس سلسلہ مین مآثر رحیمی کا ذیل کا قول قابلِ غور ہے،

"چون در خراسان نشو و نما یافت و صیت و آوازۂ فضیلت و شاعری بہ اطراف و اکناف ربعِ مسکون رسانید بہ طریق سیر و سیاحت و اظہارِ قدرت و حالت خود بر مستعدانِ عراق بہ دار العبادہ یزد افتاد"

علاوہ برین تذکرۂ میخانہ[1] کی صراحت کے بموجب وحشی کی وفات ۹۹۱ھ مین ۵۲ سال کی عمر مین واقع ہوئی، اس لحاظ سے اس کی پیدائش ۹۳۹ھ مین ہوئی ہوگی، ظہوری کا سنہ ولادت ۹۴۴ھ[2]

---

[1] ص ۱۷۵ نیز رجوع شود بہ خلاصۃ الکلام ص ۷۷۴ [2] کسی تذکرہ مین ظہوری کا سنہ ولادت نہین ملتا اور نہ کسی نے اس کی عمر ہی کا یقین کیا ہے، البتہ سنہ وفات ۱۰۲۵ھ مسلم ہے، اور میخانہ مین ۸۱ سال کی عمر بتائی گئی ہے، (جو دوسرے واقعات سے ملانے سے صحت کے قرین معلوم ہوتی ہے) اس اعتبار سے ۹۴۴ھ اس کی تاریخ پیدائش قرار پاتی ہے،

ہے، گویا دونوں کی عمروں میں صرف ۵ سال کا تفاوت تھا، شاگرد اور استاد کی عمروں میں صرف ۵ سال کا فرق بالکل ناکافی ہے،

غرض ان وجوہ سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے، کہ ظہوری وحشی کا شاگرد نہیں تھا،

بہرحال اگر ظہوری شیرازی سے مؤلف کی مراد کوئی دوسرا ظہوری ہے، تو وہ میرے موضوعِ بحث سے خارج ہے، اور اگر اوس نے زیربحث ظہوری کو وحشی کا شاگرد قرار دیا ہے، تو یہ بیان مستند نہیں ہو سکتا،

مندرجۂ بالا بحث سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے، کہ شہرت عامہ کسی قول کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہے، ظہوری کی وطنی نسبت ترشیزی کس قدر مشہور ہے، لیکن اس کے غلط ہونے میں کسی قسم کا شبہہ نہیں،

تصحیح

افسوس ہے کہ معارف ماہ اپریل ص ۲۹۸ سطر ۲ میں عنوان "وجود باری تعالیٰ" کے تحت ادارہ کی سامحت سے "Mandoes not stand Alone" کا ترجمہ "انسان الگ کھڑا نہیں رہ سکتا" چھپ گیا ہے، یہ کتاب کا نام ہے، مفہوم کے اعتبار سے اس کو "انسان تنہا نہیں ہے" ہونا چاہئے تھا،

اسی طرح ص ۳۰۵ میں کتابت کی غلطی سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے نسب نامہ کے استفسار کے جواب میں کتاب مرآۃ الجنان کا نام بعض جگہ مرآۃ الخیال چھپ گیا ہے، اور سطر ۱۰ میں ۵۶۱ھ کے بجائے ۵۶۶ھ مکتوب ہو گیا ہے، ناظرین ان غلطیوں کی تصحیح فرمائیں، "س"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

۷۔ اپنے آپ کو گومگو میں رکھنے کو بھی فتنہ کہا گیا:۔

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنتُمْ أَنفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُم بِاللَّهِ الْغَرُورُ

(حدید - ۲)

وہ ان کو پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے، ہاں تھے تو لیکن تم نے اپنے کو فتنہ میں رکھا، اور منتظر رہے، اور شک کیا، اور باطل امیدوں نے تمہیں دھوکے میں رکھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا، اور دھوکہ دینے والے نے خدا کے ساتھ تمہیں دھوکہ میں رکھا،

منافقین مسلمانوں کے چھپے ہوئے دشمن تھے، اور نہایت خطرناک قسم کے تھے، لیکن زبان سے اُن کے ساتھ ہونے کا اعلان کرتے تھے، یہ روش انھوں نے اپنے مفاد کی خاطر اختیار کی تھی، ان کا مسلمانوں کی جماعت میں گھس کر اسے کمزور کرنا تھا، وہ ظاہر میں مسلمانوں کو اس لئے خوش رکھنا چاہتے تھے کہ اگر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو تو کہہ سکیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، ان کی کفر و ایمان کی اس بین بین حالت کو آیت بالا میں فتنہ کہا گیا ہے، یعنی ان کی عقل و خیر کا فیصلہ تو پیغمبر کی دعوت کی تائید میں ہے، اور

اغراض وخواہشات کا تقاضا اس کے خلاف ہے، اور اسی کا ان پر غلبہ ہے اسی لئے اسلامی غزوات مین مسلمانون کی شکست کی خبر کا انھین شدید انتظار (تربصتم) رہتا تھا، اور اسلامی فوج کی کامیابی ان کے لئے سوہان روح تھی، بس یہان حق و باطل کے درمیان ان کی اسی کشمکش کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے،

۳- جہاد کے موقع پر اس کے واجب الادا ہونے کے باوجود اس مین شرکت نہ کرنا بھی ایک فتنہ ہے،

یاایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ	اے ایمان والو تم اللہ اور رسول کے کہنے
وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم	کو بجالاؤ، جب کہ رسول تم کو زندگی بخش
واعلموا ان اللہ یحول بین المرء	چیز کی طرف بلاتا ہے، اور جان رکھو کہ
وقلبہ وانہ الیہ تحشرون و	اللہ تعالیٰ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی کے
اتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا	اور اس کے قلب کے درمیان مین اور بلاشبہ
منکم خاصۃ واعلموا ان اللہ	تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے،
شدید العقاب واذکروا اذ انتم	اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خالص ان ہی
قلیل مستضعفون فی الارض تخافون	لوگون پر واقع نہ ہوگا، جو تم مین ان
ان یتخطفکم الناس فآواکم و	گناہون کے مرتکب ہوئے ہین، اور
ایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبات	جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا
لعلکم تشکرون،	ہے، اور یاد کرو جب تم کم تھے، اور سرزمین
(انفال - ۲۳)	مکہ مین کمزور تھے، یہ اندیشہ لگا رہتا تھا
	کہ دشمن تمھین اچک لین، پس اوس
	نے تم کو پناہ دی اور تمھاری مدد کی، اور
	تم کو پاکیزہ روزی بخشی تاکہ تم شکر کرو،

اوپر کی آیتون مین ایک جگہ لفظ فتنہ آیا ہے، اس کے مفہوم کی تعیین مین سہولت کے خیال سے آگے پیچھے کی آیتین بھی ہم نے نقل کر دی ہین، ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانو! خدا اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہو خواہ مالی قربانی کے لئے اس کی پکار ہو، یا جانی قربانی کے لئے اس مین زندگی ہے، اور اس سے گریز موت ہے، نیز رسولؐ کی دعوت نہ قبول کرنے مین طبع قلب (ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ) کا اندیشہ اور عذاب اُخروی (وانہ الیہ تحشرون) قطعی ہے، اور ان تدبیرون سے متاثر ہونے پر جو اللہ کی راہ مین جانی و مالی قربانی دینے سے روکنے کے لئے کام مین لائی جارہی تھین تحذیر کی گئی ہے، اور انھین فتنہ ٹھرایا گیا ہے اور ان کے بُرے اثرات کی زد مین صرف وہی لوگ نہ آئین گے جو مخالفین یا مار آستین منافقین کے فریب مین آکر غزوات وغیرہ سے دستکش ہوگئے ہین، بلکہ اس کا اثر ان لوگون تک بھی پہنچے گا، جو پوری دینی حمیت رکھتے ہین، دیکھئے مذکورۂ بالا آیت مین منافقین کی ان چالون (یا اھل یثرب لا مقام لکم الایہ) کو فتنہ کہا ہے، جو وہ مسلمانون کو غزوات اور دوسرے کامون تک کی شرکت سے روکنے کے لئے کرتے تھے،

۴- حق دعوت سے لوٹانے کی کوشش کرنا بھی ایک فتنہ ہے،

ا- وان احکم بینھم بما انزل اللہ	اور یہ کہ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق
ولا تتبع اھوائھم واحذرھم	فیصلہ کر جو اللہ نے اتاری ہے، اور ان کی
ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ	خواہشات کی پیروی نہ کر اور ان سے اس
الیک فان تولوا فاعلم انما یرید	بات سے احتیاط کر کہ اللہ کے بھیجے ہوئے حکم کی
اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم	تجھے بچلا دین پس اگر وہ اعراض کرین تو یقین کر
وان کثیرا من الناس لفاسقون،	کہ بس خدا کو منظور ہے کہ بعض جرمون پر ان کو
(مائدہ - ۴۹)	سزا دے اور بیشتر آدمی فاسق ہین،

۲- وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝

(اسراء ع - ۸)

اور قریب تھا کہ یہ لوگ تجھے اس چیز سے جو ہم نے تجھ پر وحی کی ہے، اس سے بچلا دیں، تاکہ تو اس کتاب کے سوا دوسری کتاب گھڑ کر پیش کرے، اور تب تجھے وہ اپنا دوست بنا لیتے، اور اگر ہم نے تیرا قدم جما نہ دیا ہوتا تو اُن کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہی ہو جاتا،

اوپر کی آیتوں میں اعدائے دین کی ان کوششوں کو جو پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کرنے کے لئے بروئے کار لاتے تھے، فتنہ کہا ہے، اور اُن سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے،

۱۰- علم بھی کبھی فتنہ بن جاتا ہے :-

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

(بقرہ ع - ۱۲)

اور انھوں نے ایسی چیز کا اتباع کیا جس کا سلیمان کے عہدِ حکومت میں شیاطین کیا کرتے تھے، اور سلیمان نے نہیں کفر کیا، بلکہ شیاطین نے کفر کیا، حالت یہ تھی، کہ آدمیوں کو بھی سحر کی تعلیم کرتے تھے، اور اس کا بھی جو ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا، بابل میں جن کا نام ہاروت و ماروت تھا، اور وہ دونوں کسی کو نہ سکھاتے تھے، تاآنکہ وہ کہہ نہ دیتے، کہ ہمارا علم فتنہ ہے، پس تو کفر میں نہ مبتلا ہو، پس لوگ ان دونوں سے وہ چیز سیکھتے تھے، جس سے میاں بیوی میں تفریق کرتے تھے، حالانکہ یہ اس کے ذریعہ بدون اذن الٰہی کسی کو ہرگز نہیں پہنچا سکتے تھے، اور وہ ایسی چیز سیکھتے تھے، جو ان کے لئے مفید نہ تھی، بلکہ مضر تھی، اور انھیں اس کا علم تھا کہ جو اسے اختیار کرے گا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا، اور بلا شبہہ وہ چیز جس پر وہ اپنی جگہ قربان کر رہے ہیں، نہایت حقیر ہے، کاش انھیں سمجھ ہوتی،

دیکھئے وہ علم جو ہاروت و ماروت کے ذریعہ بابل میں سکھایا جاتا تھا اسے فتنہ کہا گیا، اس میں یہ خاص بات تھی، کہ اُسے خیر و شر دونوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا، لیکن یہود یہ علم اس لئے سیکھتے تھے کہ اس سے لوگوں کو دکھ دیں، اور ایسا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ کتاب اللہ (تورات) ان کے یہاں متروک و مہجور ہو چکی تھی، بس اسی طرح کے علم سے انھیں شغف رہ گیا تھا،

۱۱- کسی غلط عقیدہ اور عمل پر اکسا کر ڈال دینا بھی ایک فتنہ ہے :-

۱- يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا

اے بنی آدم شیطان تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دے جس طرح تمھارے والدین کو جنت سے نکال دیا، وہ ان دونوں سے ان کا لباس اتروا رہا تھا، کہ ان کی شرمگاہیں کھول دے، بلا شبہہ وہ اور اس کا لشکر تمھیں اس نگاہ ... نہیں دیکھتے، جس

جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ	نگاہ سے تم اسے دیکھ رہے ہو، بیشک
لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝	شیطان کو ہم نے ان لوگون کا ولی اور قرین
(اعراف - ۳)	بنا دیا ہے، جو ایمان نہین رکھتے ہین،
۲- فَاِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مَآ اَنْتُمْ	پس بیشک تم اور تمھارے معبود خدا سے
عَلَیْہِ بِفٰتِنِیْنَ (صافات - ۱۶۲)	لوگون کو ہٹا نہین سکتے،

یا بنی آدم کے خطاب مین عموم وخصوص کے دو پہلو ہین، عمومی اعتبار سے تو ساری دنیا اس خطاب مین داخل ہے، لیکن خصوصی لحاظ سے اس کے مخاطب اہلِ مکہ ہین، اور اس آیت مین انھین ان کی اس روش پر نکیر کی گئی ہے، جو شیطان کے اُکسانے سے انھون نے اختیار کر رکھی تھی، وہ برہنہ ہو کر ان کا خانۂ کعبہ کا طواف کرنا اور اسے عین دین وتقوی تصور کرنا تھا اور اس غلط عمل مین اُن کے مبتلا ہونے کو ٹھیک اسی طرح ان پر شیطانی حربہ چل جانا کہا گیا ہے، جس طرح اس کا یہ حربہ آدمؑ پر چل گیا تھا، اور وہ جنت مین برہنہ ہو گئے تھے، بالفاظ دیگر اب سے بہت پہلے شیطان نے تمھارے جدامجد کو طرح طرح کی ترغیبات سے جنت مین برہنہ کر دیا تھا، ٹھیک اسی طرح اُس نے اے اہل مکہ تمھین بھی اس جنتِ ارضی (مکہ) مین عریان کر دیا ہے، اور تم ہو کہ اس کا احساس نہین کر رہے ہو، آدم نے رجوع کیا، اور ان کی توبہ قبول ہوئی، پس تمھین بھی چاہئے، کہ شیطان کے دامِ تزویر سے نکل آؤ،

دوسری آیت مین مشرکین کو ان کے ان تصورات اور عقائد کی ہمہ گیری اور قبول عام ہونے سے مایوس کیا گیا ہے، جو بالکل بے اصل ہین، اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے فریب مین کوئی ہوشمند اور سمجھ دار انسان نہین آسکتا، جب تک کہ عقل کا کورا اور عاقبت فراموشی کا شکار نہ ہو، غور کیجئے ان دونون آیتون مین سے پہلی مین لفظ فتنہ کسی غلط عمل پر ترغیب دلانے کے لئے لایا گیا ہے، اور دوسری مین غلط عقائد اور باطل تصورات کی قبولیت پر اکسانے کے مفہوم مین استعمال کیا گیا ہے،

(باقی)

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

ابو اسمٰعیل ہرویؒ (متوفی ۴۸۱ھ) نے منازل السائرین مین اور حافظ ابن قیمؒ (متوفی ۷۵۱ھ) نے اس کی شرح مدارج السالکین مین "خشوع" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ ہم بیان پیش کرتے ہین،

حافظ ابن قیم منازل السائرین کی ایک عبارت کی تشریح مین فرماتے ہین :-

"قلب مین جس کی عظمت وہیبت ہوتی ہے، اس کے سامنے طبیعت کی ہر خواہش ختم اور نفس کا ہر انبساط اسی مین فنا ہو جاتا ہے، بس خشوع اسی کا نام ہے کہ بندہ کی ہر خواہش اللہ کی عظمت اور اس کی مرضی کے تابع ہو جائے،

اس خشوع کے تین درجے ہین، پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ اپنے کو ہر وقت عاجز ومسکین سمجھے، اور حکم الٰہی شرعی ہو، خواہ قدری، اس کے سامنے سر نیاز خم کر دے، اور وہ یہ بھی محسوس کرتا رہے کہ قلب کی ہر کیفیت اور اعضاء کی ہر حرکت کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اس استحضاری کیفیت کو وہ جتنا ہی زیادہ کریگا، صفتِ خشوع سے متصف ہوتا جائے گا،

دوسرا درجہ یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے نفس کے عیوب اور اعمال کے نقائص پر نگاہ رکھے، اور اس بات کی پرواہ نہ کرے، کہ لوگ اس کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہین، وہ

لوگون کے ساتھ نیک برتاؤ اور اُن کے حقوق ادا کرتا رہے، یہی کیفیت اُسے درجۂ فنا تک پہنچانے کا سبب بن جائے گی،

تیسرا درجہ یہ ہے کہ جب بندہ کو مکاشفہ وغیرہ کی کیفیت حاصل ہوجاتی ہے، تو اس کی طبیعت مین بڑا انبساط، اور بعض وقت عجب پیدا ہو جاتا ہے، ایسے وقت مین اُسے پورے طور پر نفس کی دیکھ بھال رکھنی چاہئے، تاکہ اس کا آئینۂ دل عجب وریا کے گرد وغبار سے میلا نہ ہونے پائے، اس لئے کہ ایسے موقع پر ان عیوب کے پیدا ہوجانے کا بڑا خطرہ ہوتا ہے، پھر اس تصور کو بھی ذہن مین جاگزین رکھے کہ فضل وکرم بخشش و مغفرت سب اسی ذاتِ قدوسی کے دست قدرت مین ہے، وہ بندون پر بغیر کسی سبب کے بھی فضل وکرم کی بارش کرسکتا ہے[1]"

اوپر خشوع کی جو عومی تشریح کی گئی ہے، صاحبِ منازل کی اس عبارت سے اس کی مزید توضیح ہو گئی، کہ خشوع کی کیفیت صرف نماز ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ وہ پوری زندگی مین للٰہیت پیدا کرنے کا ایک معیار ہے،

حکیم امت امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم مین خشوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے، اور اس کے شرائط وارکان اُس کے پیدا کرنے کی صورتین، اس کے باطنی اثرات اور مظاہر وغیرہ کو علحدہ علحدہ بہت واضح طور سے بیان کیا ہے، ہم مختصراً ذیل مین درج کرتے ہین، فرماتے ہین :-

"اللہ تعالیٰ سے خشوع کی تعبیر تعظیم سے کی جاتی ہے، لیکن جب تک جلالِ الٰہی کی معرفت کے ساتھ اپنے نفس کی حقارت کی معرفت بھی شامل نہ ہو، اس وقت تک خشوع وتعظیم کی حالت منتظم نہین ہوتی[2]"

دوسری جگہ فرماتے ہین :-

---

[1] مدارج، ج ۱ ص ۲۹۶ [2] احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۱۸،

"اللہ تعالیٰ نے اس آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ[1] مین ایمان کے بعد ایک مخصوص نماز کی وجہ سے مومنین کی مدح کی ہے، اور یہ مخصوص نماز وہ ہے جو خشوع کے ساتھ پڑھی گئی ہو، پھر ان فلاح یافتہ مومنین کے اوصاف گنانے کے بعد بھی ایک مخصوص نماز کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ[2] پھر ان صفات کے نتیجہ مین فرمایا کہ وہی لوگ ہین جو جنۃ الفردوس کے وارث و مالک ہون گے، غرضیکہ نماز مین خشوع رکھنے والے مومنین کو پہلے فلاح یافتہ بتایا، اور پھر اس کے نتیجہ مین انھین جنت الفردوس کے وارث بنانے کا وعدہ فرمایا"

پھر ایک دوسری جگہ خشوع کی عمومی تشریح کرنے کے بعد صوفیہ اور ائمہ کے اقوال واعمال سے بھی اس پر استدلال کرتے ہین، فرماتے ہین :-

"جاننا چاہئے کہ خشوع ایمان کا ثمرہ اور جلالِ الٰہی کے تصور سے جو یقین حاصل ہوتا ہے اس کا نتیجہ ہے، جو شخص اس کیفیت سے لطف اندوز ہوجاتا ہے، وہ نماز مین ہو خواہ نماز سے باہر ہر وقت اس پر خشوع وخضوع کی حالت طاری رہتی ہے، بلکہ وہ تنہائی اور رفع حاجت کے وقت بھی اس حالت سے علحدہ نہین ہوتا، اس لئے کہ خشوع کا اصلی سبب خدا کی عظمت وتوقیر کی معرفت، اور اپنی ذلت وتقصیر کا علم ہے، اور اسی علم و معرفت کے تصور سے خشوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ یہ چیز صرف نماز کے لئے مخصوص نہین ہے، بلکہ ہر وقت اور ہر آن اس کا حصول ممکن ہے، چنانچہ بعض لوگون کے متعلق مروی ہے کہ انھون نے خدا سے شرم وحیا، اور اس کی عظمت کے تصور کے استیلار کی وجہ سے چالیس چالیس برس تک آسمان کی طرف سر نہین اٹھایا، ربیع ابن خثیم (مشہور تابعی ہین، ۶۱ھ یا ۶۳ھ مین وفات پائی)

---

[1] بیشک وہ لوگ فلاح یافتہ ہین، جو اپنی نماز مین خشوع رکھتے ہین [2] اور وہ لوگ جو نماز پابندی کے ادا کرتے ہین

کو اُن کے عفتِ بصر اور اعضا کے جھکاؤ کی وجہ سے بعض اندھا سمجھتے تھے، وہ چالیس برس تک ابن مسعودؓ کے مکان پر آتے جاتے رہے، جب وہ آتے تو ابن مسعودؓ کی لونڈی اُن سے کہتی کہ آپ کا اندھا دوست آگیا، ابن مسعودؓ جب ان کی طرف دیکھتے تو آیت کا یہ ٹکڑا پڑھتے، وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ (احکام الٰہی کے سامنے سر نیاز خم کر دینے والے کو خوشخبری دیجئے) اے ربیع خدا کی قسم اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو دیکھتے تو خوش ہوتے دوسری روایت مین ہے کہ تم سے محبت کرتے،

ایک روز وہ ابن مسعودؓ کے ساتھ لوہارون کے محلہ مین گئے، جب انھون نے بھٹی کو جلتے اور آگ کو بھڑکتے دیکھا تو لرزہ براندام ہوگئے، اور غش کھا کر وہین گر پڑے،

عامر بن عبد اللہ بھی ان لوگون مین سے تھے، جو نہایت ہی خشوع و خضوع اور توجہ الی اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ایپر خشوع کے غلبہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ نماز پڑھنے لگتے، تو بسا اوقات ان کی لڑکی دف بجایا کرتی، اور عورتین گھر مین بے تکلفی سے گھریلو باتین کرتی رہتین، اور انھین بالکل خبر تک نہ ہوتی،

اُن سے لوگون نے کہا کہ کیا آپ کو بھی نماز مین وسوسہ اور پراگندہ خیالی ہوتی ہے، انھون نے فرمایا مجھ پر نیزون کی پے درپے بارش مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ جس طرح تم لوگ نماز کے وقت پراگندہ خیال رہتے ہو مین بھی رہون، مسلم بن یسارؒ بھی انھی لوگون مین تھے، کہ مسجد کا ایک ستون گر پڑا، اور وہ نماز پڑھتے رہے، انھین اس کی خبر تک نہ ہوئی،

بعض صوفیہ کا قول ہے کہ نماز کا تعلق آخرت سے ہے، جب تم اس مین داخل ہوگئے، تو دنیا کی باتون سے علٰحدہ ہو جانا چاہئے''

پھر چند حکایات نقل کرنے کے بعد امام غزالیؒ آخر مین فرماتے ہین، کہ

"اور جس کیفیت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر کیا گیا ہے خاشعین فی الصلٰوۃ کی یہی کیفیت ہوتی ہے، یہ تمام حکایات و روایات اور اس سلسلہ مین جو کچھ بیان کیا گیا، اس بات کی دلیل ہے کہ نماز مین اصل چیز خشوع اور حضور قلب ہے، حضور قلب کے بغیر یعنی غفلتِ قلب کے ساتھ محض اعضا کی حرکت سے نماز پڑھنے کا آخرت مین بہت کم اجر و ثواب ہے''

شیخ عبد القادر جیلانی (۴۷۰ھ تا ۵۶۱ھ) نے غنیۃ الطالبین مین ابو حازم تابعی سے ایک روایت نقل کی ہے، جس سے "خشوع" کی پوری حقیقت سامنے آجاتی ہے،

ابو حازمؒ فرماتے ہین کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک صحابی سے ملاقات ہوئی، تو انھون نے مجھ سے اور چیزون کے علاوہ نماز کے بارہ مین بھی بہت سے سوالات کئے، اور مین ان کو جواب دیتا گیا، آخر مین انھون نے پوچھا کہ

"عبادت کے وقت تمھاری کیا نیت ہوتی ہے؟ مین نے کہا کہ عبودیت، انھون نے کہا کہ کس چیز سے نماز کی ابتدا کرتے ہو؟ مین نے کہا تکبیر سے، انھون نے کہا نماز کی دلیل و برہان کیا ہے؟ مین نے کہا اس کی قرأت، انھون نے کہا، نماز کا اصل جوہر کیا ہے، مین نے کہا تسبیحات جو اس مین پڑھی جاتی ہین، انھون نے کہا نماز کو زندہ کرنے والی کونسی چیز ہے؟ مین نے کہا خشوع و خضوع، پھر انھون نے پوچھا کہ اس کا وقار کیا ہے، مین نے کہا کہ سکون و طمانیت'

تمام سوالات کے بعد ان صحابی نے فرمایا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز ادا کرتے تھے"

امام ابو القاسم قشیریؒ (متوفی ۴۶۵ھ) اپنے "رسالہ قشیریہ" مین خشوع کے متعلق لکھتے ہین :-

---

۱؎ غنیہ جلد ۲ ص ۱۰۹، ۲؎ ۵۲ رر ص ۹۵،

"خشوع نام ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا، ...... بعض صوفیہ سے خشوع کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھون نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دل کے لگے رہنے کو خشوع کہتے ہین، ...... سہل بن عبداللہ فرماتے ہین، کہ جس کا دل خشوع سے لبریز ہو جائے، اس کے قریب شیطان نہین آسکتا ...... بندہ مین خشوع کی علامتون مین سے ایک علامت یہ ہے کہ جب اس پر غصہ کیا جائے، یا اس کی مخالفت کی جائے، یا اوس کی کسی بات کو رد کیا جائے، تو اس وقت وہ خندہ پیشانی اور حلم وضبط کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرے، بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ نگاہ کو ادھر اودھر دیکھنے سے روک دینا ہی خشوع ہے، محمد بن علی الترمذی فرماتے ہین، کہ خاشع وہ شخص ہے جس کے خواہشات کا آتشکدہ ٹھنڈا اور اس کے قلب کا دھوان (ہیجا و ولولہ) سرد ہو جائے، اور اس کے دل مین اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا نور چمک جائے، جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی تو اس کی خواہش مردہ اور دل زندہ ہو جائے گا، اور پھر اس کے نتیجہ مین اس کے اعضاء پر بھی تواضع وخاکساری طاری ہو جائے گی، حسن بصری فرماتے ہین کہ دل مین پورے طور پر اللہ تعالیٰ کے خوف کے بیٹھ جانے کو خشوع کہتے ہین[1]"

(باقی)

---

[1] رسالہ قشیریہ ص ۱۰۰،

پنڈت چندر بھان برہمن کی تصنیفات کے چند نسخے

منشأت برہمن کا نسخہ مکتبہ حبیبیہ مین

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی حبیب گنج علی گڑھ

مارچ سنہ حال کے معارف مین پنڈت چندر بھان برہمن کی تصانیف وحالات سے بحث کی گئی ہے، مکتبۂ حبیبیہ حبیب گنج (علی گڈہ) مین منشآت برہمن کا ایک نادر نسخہ ہے، خوشخط بخط شفیعا، مطلّی اوذہب، پورا نسخہ پاک صاف ہجری [illegible] مین سید حسین ولد سید محی الدین نے لکھا ہے،

اس مین شاہجہان بادشاہ کے نام کے عرائض سے شروع ہو کر سلطنت کے مختلف امراء کے نام خط ہین، بعض خط اہل خاندان کے نام بھی ہین چونکہ برہمن دربار و سرکار امراء مین باریاب تھے، یہ منشآت قیمتی معلومات سے مالا مال ہین، جا بجا اپنا کلام بھی نقل کیا ہے،

اس زمانہ کے تعلقات باہم کی بہار ان تصانیف سے واضح ہوتی ہے، ع

دیدنی ہے یہ چمن گر ہم نظر پیدا کرین،

(۲)

دیوان برہمن تحفۃ الوداد اور مکاتیب کے نسخے گجرات ورناکلر لائبریری مین

از مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی ریسرچ اسکالر گجرات ورناکلر سوسائٹی، احمد آباد

مارچ کے معارف مین دیوان برہمن کا ذکر آیا ہے، خوشی کی بات ہے کہ اس کتب خانہ (گجرات

ورناکلر لائبریری احمد آباد) مین ایک نسخہ موجود ہے، زبان فارسی جیبی تقطیع خط نستعلیق، کاغذ احمد آبادی
ہر صفحہ مین بارہ سطرین خط باریک، سرخ جدول، صرف غزل ہی غزل ہے، اور ترتیب وار حروف تہجی
اس مین الف سے ے کرہاے ہوز تک ہے، جلد شکستہ ہونے سے چند اوراق آخر کے نہین رہے،
لیکن عجیب بات یہ ہوکہ اس مین وہ شعر نہین ہے، ع

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار

شاید آخر مین متفرقات مین ہو،

اولہٗ اے برتر از تصور و وہم و گمانِ ما اے درمیانِ ما و برون از میانِ ما

آخرہٗ در کوے طلب فکر و تامل بنہ در راہ

اس کے علاوہ ایک رسالہ تحفۃ الوداد نام کا ہے، دوسرا رسالہ مکاتیب چندر بھان نامی ہی
جس مین پہلا خط افضل خان کے نام ہے، ایک اور مجموعہ مکاتیب کا ہے، جو ابتدا اور آخر سے ناقص ہی
اس مین ایک جگہ بادشاہ کے جشن سالانہ پر ایک رباعی کہی ہے،

استفسار و جواب

امام المسلمین کا حکم تشریعی

اور

عالم رویا کے احکام کی اطاعت

جناب میر انور سعید صاحب
نشیمن، کٹرہ اہلووالیہ (امرتسر پنجاب)

السلام علیکم!

مکاتیب اقبال میری نظر سے نہین گذرے مگر
ایک صاحب جنھون نے ان کا مطالعہ کیا ملاقی ہوے، اور چند ایسی باتین بیان کر گئے جن کا
استفسار آپ ہی سے کرنا انسب معلوم ہوتا ہے، اس لئے بھی کہ علامہ مرحوم نے خود بھی ان
معاملات مین آپ سے ہی استفادہ کیا تھا،

(۱) کیا امیر یا امام المسلمین کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی قرآنی حکم کو منسوخ کر دے، اگر نہین
تو امیر المومنین حضرت فاروق اعظمؓ کے اس حکم کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جب انھون
نے عام الرمادہ مین سارق کے لئے قطع ید کی سزا جو قرآن حکیم کے ایک قطعی حکم کے مطابق ہی
منسوخ فرما دی،

(۲) ایک حدیث شریف مین ہے کہ مولاے کل جناب ختمی مرتبتؐ نے فرمایا کہ جس نے خواب
مین مجھے دیکھا اوس نے تحقیق مجھے دیکھا، کیا یہ صحیحین کی حدیث ہے، اور اگر جواب اثبات مین ہو
تو ایک شخص جب یہ کہے (اور تمام حالات شاہد ہون کہ وہ شخص کاذب نہین) کہ سرکار دو جہان

علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم رویا مین مجھے یہ چیز عطا فرما گئے، اور مین اُسے اسی طرح پیش کر رہا ہون تو ان انکار کو جو اس صورت مین پیش کئے جائین، الحاد و زندقہ کہنا کہان تک بجا ہے، کیونکہ جہان تک میرے محدود علم کا تعلق ہے، حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے جب دنیا کے سامنے نصوص الحکم پیش کی تو اسی تمہید سے کی کہ یہ عطیۂ بارگہ نبوی ہے، مگر علامہ مرحوم فرماتے ہین کہ یہ کتاب الحاد و زندقہ سے پُر ہے،

اُمید ہے کہ آپ براہ کرم و نوازش جلد جواب دیکر اس موضوع پر مکمل روشنی ڈالین گے، اور میری اس علمی تشنہ لبی کو سیراب کرین گے،

معارف:۔ کسی امام کو یہ حق حاصل نہین کہ کسی حکم قرآنی کو منسوخ کردے، ہان یہ ممکن ہے کہ کسی اسلامی مصلحت سے کسی حکم قرآنی کے اجراء مین تاخیر یا التوا کرے، مثلاً دار الحرب مین یا جنگ کی حالت مین جب دشمن کی فوج سامنے ہو، کسی مسلمان پر حد جاری کرنے مین تاخیر کی جائے، یا مثلاً سرقہ کی کسی خاص صورت کو کسی وقت خاص مین مستثنیٰ کر دیا جائے، مگر یہ چیزین ہنگامی ہونگی اور مصالح ہنگامی کے ختم ہونے کے بعد اصل حکم بحال رہے گا، اسی طرح اس امام کے احکام اوس کے حدود تک محدود رہین گے،

۲۔ حدیث صحیح ہو لیکن رویا کی حیثیت صرف بشارت کی ہے، اس لئے دیکھنے والے کے لئے تو بشارت ہے، لیکن اس رویا مین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ارشاد سنا جائے، اگر وہ شریعت کے مطابق ہو تو ظاہر ہے کہ صادق ہے، اور اگر مخالف ہے، تو قابل رد ہے، لیکن بیداری کے حکم کی جو قطعیت ہے، اور جو تواتر نقل یا صحیح روایت سے ثابت ہے، اوس کے مقابلہ مین رویا مین سینکڑون احتمالات ہین، اس لئے ناقابل قبول ہے، ثانیاً یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانۂ نبوت اور صوۃ فی الدنیا مین جو کچھ فرمایا وہی احکام قابل اطاعت ہین، رویا کا ارشاد جو بیداری کے احکام کے مخالف ہو تسلیم کے لائق نہین، اور اگر نہ مطابق ہو نہ متضاد و مخالف تو صرف خواب دیکھنے والا اگر اوس پر عمل کرے تو جائز، اور اگر نہ کرے تو ملامت کے قابل

نہین، اور وہ بھی اسی خواب دیکھنے والے کے حق مین خاص رہے گا،

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی احکام واجب الاطاعت ہین، جو حضور اپنی حیاتِ دنیاوی مین دے گئے ہین،

والسلام — "س"

ایک آیت کا زمانہ نزول

جناب سید مسعود احمد صاحب
دار الانوار قادیان

پچھلے دنون مین سیرۃ النبی مصنفہ مولانا شبلی مرحوم میرے مطالعہ مین تھی، اس کے متعلق ایک ضروری تاریخی استفسار ارسال کرتا ہون :۔

مولانا مرحوم اپنی تصنیف کے حصہ اول مجلد دوم مین ص ۴۰ پر فرماتے ہین، کہ قُلْ یَآاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ الخ والی آیت وفد نجران کی موجودگی مین ۹ھ مین نازل ہوئی تھی، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوس مکتوب مین جو ہرقل عظیم الروم کے نام تھا، یہی آیات درج ہین، جو اس سے چند سال قبل کا واقعہ ہے، براہ کرم اس تناقض کو دور فرمائین، اور اس آیت کے سنہ نزول کے بارے مین اپنی تحقیق سے متمتع کرین،

معارف :۔ عنایت نامہ ملا، جواباً عرض ہے، اس آیت کے سببِ نزول مین اربابِ تفسیر کی مختلف رائین ہین، بعض کا خیال ہے کہ اس کا نزول صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا، اور بعض کا میلان ہے کہ یہ وفد نجران کی آمد کے وقت نازل ہوئی، حافظ ابن کثیر نے تفسیر مین وفد نجران کی آمد کے وقت اس آیت کے نزول پر دو اشکال ظاہر کئے ہین،

اول جو آپ نے لکھا ہے،

دوم امام زہری کا قول ہے کہ سب سے پہلے جزیہ وفد نجران نے قبول کیا، اور اس بات پر سب

متفق ہین، کہ آیت جزیہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی، پھر ان اشکالات کے جوابات دیئے ہین،

۱- ہو سکتا ہے کہ آیت دوبار نازل ہوئی ہو، ایک بار صلح حدیبیہ سے پہلے دوسری بار فتح مکہ کے بعد،

۲- ابن اسحاق کا جو یہ قول ہے کہ آل عمران کی اسّی سے کچھ زیادہ آیتین، وفد نجران کی آمد کے وقت نازل ہوئین، صحیح نہین، ممکن ہے کہ صرف شروع کی چند آیتین اس وقت نازل ہوئی ہون،

۳- یہ بھی احتمال ہے کہ وفد نجران کی آمد صلح حدیبیہ سے پہلے ہوئی اور جو پیشکش انھون نے اس وقت قبول کی وہ مباہلہ کے بدلے مصالحت کے لئے تھی، جزیہ کی حیثیت سے نہین،

۴- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت یہ خط لکھا تھا، اس وقت یہ آیت نازل نہین ہوئی، بلکہ آپ نے اپنے الفاظ مین اسے لکھا ہو، اور بعد مین اسی کے موافق وہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی جلی کے ذریعہ نازل ہوگئے ہون، جیسا کہ آیت حجاب وغیرہ مین حضرت عمرؓ کی موافقت مین آیتین نازل ہوئین،

مجھے یہ قول پسندیدہ معلوم ہوتا ہے، کہ پہلے یہ آیت پاک منفرداً نازل ہوئی ہے، دوسری بار پورے سلسلے کے ساتھ، موجودہ ترتیب کے ساتھ جہان علم الٰہی مین اس کی جگہ تھی، فلا اشکال،

والسّلام، "س"

گکھرون کی تاریخ

جناب سردار علی صاحب لوٹ ضلع جہلم، | معارف ماہ جون ۴۳ء مین گکھرون کے سلسلہ مین ایک استفسار کا جواب دیا گیا تھا، پھر ایک مزید سلسلہ بحث مین معارف ماہ ستمبر ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۲۲۰ مین معارف کی جانب سے ایک نوٹ شائع ہوا، جس مین مذکور ہے، کہ

"گکھرون کے متعلق مستفسر اوّل جناب محمد اسلم خان صاحب کا ایک مزید تشریحی

استفسار موصول ہوا ہے، امید ہے کہ وہ معارف کے کسی آیندہ نمبر مین پیش ہو، اور اس پر مزید گفتگو کی جا سکے"،

مذکورہ نوٹ کے متعلق مین نے گذشتہ جون ۴۶ء مین بطور یاد دہانی ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا، جس کے جواب مین آپ کی جانب سے ایک گرامی نامہ نمبر ۶۸۶ مندرجہ ۲۶ر جون ۴۶ء موصول ہوا تھا، کہ

"کثرت مشاغل کی وجہ سے گکھرون کے متعلق ابھی تک کچھ لکھا نہین جا سکا، بہت جلد کسی آیندہ فرصت مین کچھ عرض کیا جا سکے گا،"

اب کامل ایک سال کی خاموشی کے بعد مجھے پھر ایک دفعہ جناب کی خدمت عالیہ مین عرض کرنی پڑی، براہ نوازش میرے عریضے پر بغور نظر اپنے وعدہ کو پورا کرنے کی کوشش فرماوین، اس تشریحی استفسار کو جو گکھرون کے متعلق ہے، لکھنے کی تکلیف اٹھاوین، زیادہ والسلام،

معارف :- گرامی نامہ ملا، صحیح ہے کہ گکھرون کے متعلق پھر معارف مین کچھ لکھا نہ جا سکا، لیکن اس کی وجہ کوئی سہل انگاری نہین بلکہ زیادہ مستند معلومات کو مناسب موقع سے شائع کرنا پیش نظر تھا، آپ کو یہ سُن کر خوشی ہوگی، کہ گکھرون کے متعلق ایک مستند تاریخ ان دنون ایک محقق مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی کے زیر ترتیب ہے، وہ کتاب تیار کر چکے ہین، اور ان دنون مقدمہ کی تسوید مین مصروف ہین، اگر آپ کو زیادہ عجلت ہو تو ان سے گجرات ورنا کلر سوسائٹی احمد آباد کے پتہ سے خط وکتابت فرمائین، ورنہ کچھ دنون انتظار فرمائین، ممکن ہے مولانا موصوف اس موضوع پر اپنی تحریر معارف مین اشاعت کے لئے ہین عنایت فرما سکین،

والسّلام "س"

مطبوعات جدیدہ

نظامِ نو، از جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی اے، حجم ۹۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲/
پتہ :۔ مکتبہ نشأۃ ثانیہ، حیدر آباد دکن،

جنابِ مصنف اپنی سنجیدہ تصنیفات کے ذریعہ ملک کے علمی و ادبی حلقوں مین روشناس ہوچکے ہین نظامِ نو ان کی تازہ تصنیف ہے، جس مین غور و فکر کے ساتھ چند فکری و ذہنی مباحث پر سنجیدگی سے گفتگو کی گئی ہے، مصنف نے اس مین دنیا کے موجودہ نظامِ زندگی یا یون کہا جائے، موجودہ مغربی تمدن و معاشرت پر ناقدانہ بحث کی ہے، اور اس کی خامیان دکھا کر ایک نظامِ نو کے مبادیات کو پیش کیا ہے، مصنف نے عقلیت پرستی، افادیت پسندی اور خارجیت پسندی کو مغربی تمدن کے تین نمایان اجزا مین شمار کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ یورپ مین اہلِ مذہب کی شکست کو نفس مذہب کی شکست کا مترادف سمجھا گیا، حالانکہ محض عقلی دلائل و براہین، نفس مذہب کی حقانیت و بطلان کا معیار نہین بن سکتے انھون نے مذہب کی راہ کو چھوڑ کر عقلیت پرستی کا دامن پکڑا، اور اس مین وہ ایسی تیز گامی سے بڑھے کہ اخلاقی اصول بھی اُن سے چھوٹ گئے، پھر وہ عقلی استدلالون کے پردہ مین اجتماعی رغبت و پسندیدگی کے نفسیاتی مزاج کی پیروی کرنے لگے، اور اس راہ سے عورتون کو ایسی آزادی دی کہ معاشرت مین بے عنوانیان پیدا ہوگئین، اور سائنس کے علوم مین عقلی استدلال سے کامیاب ہونے کی وجہ سے انسانی تعلقات کی ...... بھی انھون نے اصولِ اخلاق کے بجائے محض عقل کی رہنمائی مین درستی چاہی، پھر ان حقائق سے بحث کی جو انسانی حد و تجربہ کے ماورا تھے، اور اپنی نارسائی کی وجہ سے ان حقائق سے

انکار کر بیٹھے، اور افادیت پسندی مین وہ اس حد تک بڑھ گئے، کہ محض وقتی اور محسوس فوائد کو اصل کامیابی جانا، مادی فوائد کے لئے اخلاقی اصولون کو چھوڑا، اور اپنی لذت پرستی و مسرت طلبی کو جائز حدود مین نہ رکھ سکے، پھر وہ اپنی خارجیت پرستی سے انسانی زندگی مین خارجی نظامون سے ایسے وابستہ ہوئے کہ اخلاقی تقاضون اور باطنی و روحانی محرکات کو فراموش کرگئے، حالانکہ اصلاح باطن سے خارجی زندگی آپ سے آپ متاثر ہوتی ہے، دوسری طرف ایشیائی متفکرین و مصلحین نے خارجی نظامون کو سرے سے نظر انداز کیا، انکی ساری توجہ صرف روحانیت پر مبذول رہی، اس افراط و تفریط کے درمیان صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اعتدال کے ساتھ ان دونون کو اہمیت دی اور سیاست، معاشرت اور معیشت کا ایسا نظام بنایا جس پر ایک علمی تمدن کی بنیا دقائم ہو سکتی ہے، دوسری طرف اس نے اصلاح باطن، تزکیۂ نفس اور نظامِ عبادت کے ایسے اصول وضع کئے، جو انسانون مین صحیح سیرت و کردار پیدا کر سکین،

پھر ان تحریکون پر نظر ڈالی گئی ہے، جو مذہب انسانیت، قومیت پرستی، اشتراکیت اور بین الاقوامی وفاق کے نام سے موجودہ تمدن کی بنیادی خامیون کو دور کرنے کے لئے جاری ہوئین لیکن ان تحریکون مین ایسی بنیادی خامیان تھین، جن سے ان کی خوبیون پر بھی پردہ پڑ گیا، پھر مصنف نے ایک صالح نظام کے ضروری اجزا ترتیب دیئے ہین، اور ان کی مطابقت اسلام سے دکھائی ہے، اور آخر مین دکھایا ہے، کہ کسی اصول یا نظریہ کا محض برحق، مفید اور صالح ہونا اس کی کامیابی کا ضامن نہین جب تک کہ اس کے پیرو اپنی انفرادی سیرت و اجتماعی طاقت سے اس کو پھیلانے اور اس کے مخالف نظامون کو مٹانے کی سعی مین مصروف نہ ہوجائین، اسلام کے پیرو اپنی عملی جد و جہد، ایثار و قربانی، تنظیم، مرکزیت اور فہم و تدبر سے سرگرم عمل ہون، تو وہ آج بھی نظامِ عالم کو بدلنے کی قدرت رکھتے ہین، ضرورت ہے کہ اس رسالہ کا ترجمہ دوسری زبانون مین بھی کیا جائے، کہ مزید مفید نتائج مرتب ہوسکین،

محاوراتِ داغ از جناب ولی احمد صاحب ایم اے، وزیر اعظم ریاست دوجانہ،

حجم ۳۰۰ صفحے، کاغذ بہتر، لکھائی، چھپائی اچھی، قیمت فی جلد ﷲ، پتہ :- مکتبہ ادب

اردو بازار دہلی،

داغ کی شاعری مین محاورات کا برمحل اور برجستہ استعمال اپنی امتیازی شان کے ساتھ پایا جاتا ہے، ان کو یکجا کرنے کا خیال ایک زمانہ سے زبان کے خدمت گذارون کے پیش نظر تھا، خوشی کی بات ہے، کہ اس خدمت کو صاحبِ ذوق مصنف نے اپنی اس تصنیف کے ذریعہ پورا کیا، اور ۴۴۴ محاورات کا قابلِ قدر انتخاب بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے تیار کر لیا، ہر محاورہ کی تشریح اور جس شعر سے وہ اخذ کیا گیا ہے، مع دیوان کے حوالہ کے اس کے سامنے درج ہے، اس طرح اردو زبان و ادب کی مفید خدمت انجام پائی ہے، لیکن ضرورت تھی کہ اس کو لغت کی کتابون کی ترتیب سے مرتب کیا جاتا، یون تو حروف تہجی کی ابتدائی تقسیم کا لحاظ رکھا گیا ہے، لیکن ایک حرف سے شروع ہونے والے تمام محاورے تحتانی حروف تہجی کا لحاظ کئے بغیر غیر مرتب طریقہ سے نقل کر دیئے گئے ہین جس کی وجہ سے اگر کسی ایک محاورہ کے مراجعہ کی ضرورت ہو، تو اس حرف تہجی کے پورے باب کا مراجعہ کرنا پڑے گا، جس مین خاصہ وقت صرف ہو سکتا ہے، اسلئے طبع ثانی مین اس کی ترتیب مین اصلاح کی ضرورت ہے، مصنف نے شروع مین تقریب کے عنوان سے اردو غزل، اور داغ کے کلام پر بھی اختصار و جامعیت سے گفتگو کی ہے، وہ لائق مطالعہ ہے،

شہدائے اسلام، از جناب اخلاق حسین صاحب قاسمی، ناشر سنٹرل بک ڈپو، اردو بازار جامع مسجد دہلی، حجم ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- مجلد عار

شہدائے اسلام مین ایسے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے حالات چن کر یکجا کئے گئے ہین جن مین ان کے اللہ کی راہ مین جام شہادت نوش کرنے کا ذکر آیا ہے، ابتدا مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کے ایسے واقعات بھی درج کئے گئے ہین، جن مین آپ کو کفار کے ہاتھون ایذائین پہنچین، اگر اس بیان کا

خاتمہ "بھلا وہ قوم کیسے ترقی پا سکتی ہے، جو اپنے پیغمبر کو زخمی کر دے" پر کرنے کے بجائے اس پر کیا جاتا، کہ "اے اللہ ہماری قوم کو ہدایت دے، کہ وہ نہین جانتی" تو زیادہ بہتر ہوتا، رسالہ کا خاتمہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ پر کیا گیا ہے،

خدا کی حاکمیت :- از حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، حجم ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت :- ۴ر، پتہ :- ادارہ دعوۃ الحق، بیگم بازار، گوجہ گھاس منڈی، حیدر آباد دکن،

معارف مین زیر ترتیب سیرۃ جلد ہفتم کے چند صفحے کچھ دن گذرے شائع ہوئے تھے، ناشر نے ان کو "خدا کی حاکمیت" کے نام سے رسالہ کی صورت مین عام افادہ کے لئے شائع کیا ہے، اس مین حضرۃ الاستاذ مدظلہ نے دکھایا ہے کہ حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، احکام الٰہی کی دو قسمین ہین، احکام تشریعی و تکوینی، "قانون و شرع کے اصول و کلیات ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رکھے گئے ہین" "امت کے مجتہدین کو اختیار ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی ضرورتون کے لئے مسائل و فروع کا استنباط کرین" "حکومت الٰہیہ" پر اس زمانہ مین طویل بحثین جاری ہین، یہ رسالہ اس موضوع کی جان ہے، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

اسلامی روایات کا تحفظ، از جناب سید جمیل واسطی ایم اے (کینٹب) حجم ۱۶۳ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ، مکتبہ دانش مزنگ، لاہور،

یہ مصنف کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جن مین مختلف تمدنی و معاشرتی مسائل پر ناقدانہ گفتگو کی ہے، یہ مضامین، "علم و عمل"، "مسلمانون پر مغربی تہذیب کا اثر"، "پردہ"، "تعداد ازدواج"، "خزیہ خوری"، "صنم پرستی"، "نسلی تعصب" اور "مے نوشی" وغیرہ پر ہین، ان موضوعون پر مغرب کے کشکول مین اُن کے حسن و قبح کے معیار کے لئے جو دلائل ہین، ان پر نظر ڈالی گئی ہے، اور راہ صواب دکھانے کی کوشش

کی گئی ہے، اس کا مطالعہ نوجوانون کے لئے خاص طور پر مفید ہوگا،

بہشت:- از جناب بنی پرشاد سنگھ صاحب بھٹناگر حجم ۱۹۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ناشر مول چند اینڈ برادرس، چوک فیض آباد،

اس رسالہ مین مصنف نے اپنے نقطۂ نظر سے انسانون کو نیکی کی زندگی اختیار کرنے اور برائیون سے بچنے کی تلقین کی ہے، اور دکھایا ہے کہ انسانی زندگی کی راحت سچی محبت اور پاکیزہ زندگی ہی مین ہے، جناب نصیر الدین احمد ریٹائرڈ اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس نے اس کا دیباچہ لکھا ہے، یہ رسالہ غالبًا بلا قیمت مل سکتا ہے۔

خونی ترانے مرتبہ جناب عبد الوہاب صاحب غازی اصلاحی، حجم ۲۳ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۲ر، پتہ:- اردو اشاعت گھر، نمبر ۳۲، فیرس لین (چونا گلی) کلکتہ،

ان دنون ملک مین جو فرقہ وارانہ فسادات جاری ہین، ان مختلف واقعات پر وقتًا فوقتًا مختلف شعراء اور خود مرتب نے اپنے جو تاثرات نظمون مین قلمبند کئے، وہ نظمین اس مجموعہ مین یکجا کی گئی ہین جو مختلف عنوان خانہ جنگی، کلکتہ کا فساد، کربلائے بہار، ہڑی لاشین، شہیدان بہار، مینی آباد، مظفر پور، ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء "نوجوانان بہار سے خطاب" وغیرہ عنوانون سے ہین،

تاجدار رقاصہ، ترجمہ جناب فصیح الدین احمد صاحب ایم اے حجم ۱۷۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، نیا گھر، اردو بازار دہلی،

یہ ایک فرانسیسی ناول کا آزاد ترجمہ ہے، اس مین ایک رقاصہ کی سرگذشت بیان کی گئی ہے جس مین اس کی زندگی کی مختلف منزلین دکھائی گئی ہین، وہ اسی سلسلہ مین ایک غریب نوجوان کی شریک زندگی بنی، پھر اپنی قسمت سے بیزنطی تخت کی تاجدار بن گئی، اور بیزنطی محل مین اس کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات پیش آئے، ترجمہ صاف سلیس اور رواں ہے،

"س"

جلد ۵۹   ماہ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۷ء   عدد ۶